جملہ حقوق محفوظ
سلسلہ مطبوعات عصمت نمبر
تصنیف
مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ
جسے
رازق الخیری ایڈیٹر عصمت و بنات نے
عصمت بکڈپو دہلی سے شائع کیا
SAMI 30
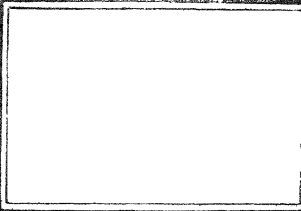
گلدستۂ عید
مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عید کا کرتہ

ہلالِ عید بھی ہے لطف و راحت کی فضا بھی ہے
مگر اس چاند کا قصّہ مسلمانوں سُنا بھی ہے
مناؤ عید کی خوشیاں بھرو خوب اپنے گلے تم
جمع سامانِ راحت ہیں مسرت کی ہوا بھی ہے
مبارک تم کو ہو یہ دن سلامت تم کو یہ گھڑیاں
یہی ہے آرزو اپنی یہی اپنی دُعا بھی ہے
مناؤ خوب جب خوشیاں اور ہو کچھ عیش سے فرصت
تو پھر اس چاند کو دیکھو کہ کچھ اس میں صدا بھی ہے
سنو اپنی کہانی تم کہ ہے دلچسپ و دل کش یہ
یہ ہے اپنی ہی بیتی اور اپنا ماجرا بھی ہے

عید کا گریہ از علامہ راشد الخیری

دلِ دردآشنا پہلو میں ہے تو چیخ اٹھو گے
اگر احساسِ قومی اور دل میں کچھ حیا بھی ہے
منائی عید تم نے بال بچوں کی ندیموں کی
مگر فریاد بھی کچھ کان میں آئی یتیموں کی؟

~~~~~~

زہرہ بنت احمد نو برس کی جاں ننھی سی
یتیم و بیکس و تنہا نہ ماں اس کی نہ باپ اس کا
ہلالِ عید دیکھا اور آنسو آنکھ میں آئے
لگی کہنے کہ اب دنیا میں میرا کون ہے بیٹھا
نہ اماں ہیں نہ ابا ہیں نہ والی ہے نہ وارث ہے
نہ مہندی کا کوئی ساماں نہ کرتے کا نہ کپڑے کا
لگی ہے آگ سی دل میں کدھر جاؤں کہوں کس سے
چھٹی ہوں گود سے ماں کی اٹھا ہے باپ کا سایہ
ابھی پچھلے برس جب میرے ماں باپ زندہ تھے
مری ٹوپی نئی آئی بنا کرتہ تھا جھم جھم کا
خریدی تھی مری امی نے اطلس ایک کرتہ کی
رکھی ہے سر کی ٹیچی میں ارے ہاں خوب یاد آیا
مگر پیسے کہاں ہیں کون سیوے گا غرض کس کو
چلوں شاید نکل آئے کوئی اللہ کا بندہ
یہ سب تھی عید کی مصروف دنیا اپنے کاموں میں
کہیں سحریوں کی تیاری کہیں ڈوبا کہیں ٹانکا
~~~~~~

مگن گھر والیاں خوشیوں میں شاداں باپ بچوں میں
کہیں قالین ایرانی، کہیں کھا بوٹ ڈاسن کا
ادھر اجبار ہا تقارات کے احکام جاری تھے
کہ بن ماں باپ کی بچی چلی گھر سے لئے کپڑا
یہاں پہنچی وہاں پہنچی ادھر دیکھا اُدھر دیکھا
پرائے شور و شر دیکھے مسلمانوں کا گھر دیکھا

کہیں سونا چمکتا تھا دمکتا تھا کہیں سیلم
کہیں خاموش تھی لونڈی کہیں محو ادا بیگم
صدا دی ایک گھر پہ یہ رہے اس گھر کی گھر والی
ترے بچے جئیں جم جم تجھے ہو سکھ سدا بیگم
یتیم و بیکس و لاچار ہوں قسمت کی ماری ہوں
نہ اماں ہے نہ باوا ہے نہ بھائی نہ چچا بیگم
میں ہوں بے وارثی لیکن مرا ایمان ہے قرآں
مرا ہادی مرا مولا محمد مصطفےٰ بیگم
طفیل اس نام کا جو ہی تصدق اپنے بچوں کا
جو فرصت ہو تو ایک کرتہ مرا سی دے ذرا بیگم
نہیں گو ہم کسی قابل نہ سنگھی ہے نہ ساتھی ہے
مگر دیں گے دعا تجھ کو ہمارے کام آ بیگم
ذلیل و خوار ہیں ہم یاں مگر عرش معلےٰ پر
ہماری بادشاہی کا ہے ڈنکا بج رہا بیگم

اندھیرا گھپ ہے ڈر لگتا ہے سر پر رات چھائی ہے
ارے سی دے مرا کرتہ خدا کا واسطہ بیگم
جواب آیا نہ جب کچھ بھی تو یہ کہہ کر بڑھی آگے
کئی بچوں کے سب دھندے مرا کرتہ رہا بیگم
مسلمانو! تمھیں احکام کی کچھ یاد بھی آئی
تمھارے کان میں معصوم کی فریاد بھی آئی

"عصمت" اپریل ۲۷ء

عید کی دُعا

عید کی رات کو ایک گھر والی خدا کے حضور میں

الٰہ العالمین وہ روز جس کا بری مخلوق مدتوں سے انتظار کر رہی تھی ختم ہوگیا آفتاب عید جس کی آنکھیں بیتابی سے منتظر تھیں دن بھر سروں پر چمک دمک کر اور مرجھائے ہوئے دلوں کو کھلا کر غروب ہوچکا۔ شب عید سر پر آئی اور آدھی کے قریب گذر گئی۔ اب دنیا عالم خواب میں ہے بچے اُچھل کود کر بچے والیاں ہنس بول کر بے خبر ہوگئیں۔ انسان حیوان چرند پرند سب نیند کی لپیٹ میں ہیں۔ چڑیا اپنے انڈوں کو اور بچے والی اپنے لال کو کلیجہ سے چمٹائے نرم نرم گھونسلے اور گرم گرم بچھونے پر آرام کر رہی ہیں۔ رات کا سنّاٹا چاروں طرف چھا چکا۔ تاریکی دُور تک پھیل گئی۔ اس عالم سنسان میں رات کی سائیں سائیں کے سوا ہر طرف خاموشی ہے۔ تارے آسمان پر درخت زمین پر پھول باغ میں غرض کائنات کا ذرہ ذرہ محو خواب ہے احکم الحاکمین بادشاہوں کے بادشاہ ایک

ادنیٰ کنیز ایک گنہگار لونڈی تیرے حضور میں حاضر ہوئی ہے، مولا تیرے احسانات کا، تیرے رحم و کرم کا، تیری عنایت و رحمت کا، شکریہ کس منہ سے ادا کروں، سچے مالک اپنے فضل سے، اپنے جوش رحمت سے مجھ گنہگار کو یہ خوشی کا دن دکھایا۔ شوہر اور بچوں کی سلامتی، ماں باپ کی زندگی بہن بھائیوں کی موجودگی میں عزت و آبرو سے فرصت و اطمینان سے عید ختم ہوئی۔ احسان مولا احسان، کرم، آقا کرم، رحم مالک رحم، سچے مالک اور حقیقی آقا تیری شکر گذاری۔ تیرا دربار عظیم۔ رؤف الرحیم تیرا نام بڑا، تیرے کام اچھے، علام الغیوب تیرا رحم وسیع، تیرا کرم اعلیٰ، میری مراد بخش۔ میری التجا قبول کر۔ دونوں بچے تیری امانت ہیں۔ ان کی عمر میں برکت دے۔ ان کے باپ کی عمر و رزق میں ترقی، صحت و عافیت معبود حقیقی دے۔ شادمانی دے نور ایمان دے، رزق میں برکت دے اسلام پر موت دے بجا حلیم الاخلاق عذاب قبر سے دوزخ کی آگ سے، شرک سے گناہ سے
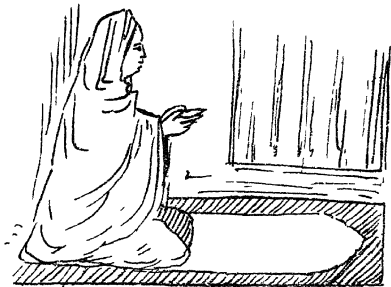
مولا رات ختم ہوگئی، صبح قریب ہے روز عید اور شب عید دونوں پورے ہوئے اپنے حبیب کے طفیل اسی طرح عزت و آبرو، خوشی و اطمینان سے دوسری عید آنی نصیب ہو۔

۱۸ سمہ ۶

عید کی خوشی

دُکھ سُکھ۔ شادی غمی۔ مرنا جینا۔ ہنسا، رونا۔ مختصر یہ کہ جہاں جیتی جان کیساتھ دنیا کے بکھیڑے اور زندگی کے جھگڑے لازمی ہیں۔ وہاں خوشیوں کی بہار اور اطمینان کا لطف بھی انسان کے واسطے ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو چند ہی روز میں لوگ دنیا سے اُکتا جاتے۔ کوئی سنکھیا کھاتا۔ کوئی کنوئیں میں گرتا۔ یہاں تک کہ مرنے کی تمنا موت کو نعمت بنادیتی ہے۔ اب یہ قدرت کا انتظام تھا کہ بیماری کے ساتھ صحت نقصان کے ساتھ نفع، رنج کے ساتھ خوشی دُکھ کے ساتھ ہنسی۔ غرض یہ کہ ہر تکلیف کے ساتھ راحت اور راحت کی اُمید بھی ایسی لگادی کہ اس آس پر کٹھن گھڑیاں اور سخت دن سب بسر ہو جاتے ہیں۔ بڑی سے بڑی مشکل درپیش بدتر مصیبت سامنے۔ مگر دل ہے کہ اندر سے یہی کہہ رہا ہے۔ شاید اب دن سنور جائیں۔ یہ بلا ٹل جائے۔ مگر کیوں؟ اس لیئے کہ رات دن آنکھیں یہ تماشا دیکھ رہی ہیں۔ مریض بستر مرگ پر پڑا ہے۔ حکیم جواب دے چکے۔ اور عزیز اس کے جینے سے مایوس ہیں۔ مریض سانس گن رہے ہیں۔ اور بیمار سنبھل بیٹھا۔ دوکان میں آگ لگی مال متاع

عید کی خوشی

از علامہ راشد الخیری رح

جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔ عمر بھر کی کمائی نوٹوں کا صندوقچہ تھا، اس کے
جلنے نے بالکل بٹھا دیا۔ الماری کھول کر دیکھتے ہیں تو صندوقچہ جوں کا توں امانت
کا سلامت، یہ ہیں وہ واقعات جو دور رنج و دنیا کو بہشت اور زندگی کو نعمت بناتے
ہیں اور یہ ہیں وہ خوشیاں جو سخت سے سخت مصیبت اور بڑی سے بڑی آفت
میں بھی آدمی کے ایسا نہیں ڈگمگانے دیتیں۔ کیسی ہی پریشانی اور کتنی ہی تکلیف
کیوں نہ ہو چھٹکارے کی آس سانس کے ساتھ لگی ہوئی ہے جس طرح غم کی یہ خوشی پر
بکھری ہوئی ہے اسی طرح اگر ہر رنج میں یہاں تک ہر رنج کے بعد کوئی نہ کوئی خوشی کسی نہ کسی
قسم کا اطمینان انسان کو ضرور میسر ہو جاتا ہے۔

یوں تو نہ غم کی قسمیں مقرر ہیں نہ خوشی کی۔ نئی نئی خوشیاں نئے نئے غم۔ مگر غور
کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں اس خوشی سے بڑی خوشی کوئی نہیں جو انسان
کو اپنا فرض پورا کرنے کے بعد میسر ہو۔ بیٹے کا بیاہ، تجارت کا نفع، ملازمت کی
ترقی مقاصد کی کامیابی یہ تمام وہ خوشیاں ہیں جو ایک خاص وقت تک ہیں
اور پھر اثر زائل ہوتے ہوتے وہ خوشی اور اس کا خیال دونوں ختم۔ لیکن فرض
کے ادا کرنے کی خوشی وہ خوشی ہے کہ گو دوسری خوشیوں کی طرح اس وقت اس کا اثر
بھی زائل ہو جائے۔ مگر جب کبھی خیال آئے گا، خوشی حاصل ہو گی اور دل اندر سے
مرحبا کہے گا۔ فرض پورا کرنے کی خوشی وہ سچی خوشی ہے جس کے پھول ہمیشہ لہلہاتے رہیں گے
عید الفطر اسی سچی خوشی کا ایک نمونہ اسلام نے پیش کیا ہے۔ تاکہ تمام مسلمان مرد
اور عورتیں اپنے فرض کو پورا کرنے کے بعد خوشی منائیں اور یہ خوشی ان کے باقی
فرائض کے پورا کرانے میں ایک مثال ہو۔

کون ایسا مسلمان ہوگا جو عید کے منانے کی تیاریاں نہ کرتا ہو بڑے سے
چھوٹے تک اور امیر سے غریب تک ہر ملک اور ہر شہر میں اس کا انتظار ہوا

ہے یہاں تک کہ بچے بھی اس خوشی میں ماں باپوں سے زیادہ شریک ہوتے ہیں اللہ کیا دلوں پہلے جوڑی مہندی کپڑے، لتے تیار کرتی ہیں اور اپنی حیثیت کے موافق پہن اوڑھ کر عید کی خوشی مناتی ہیں۔ مگر اس خوشی کے منانے کا اصل حق اُن شخص کو حاصل ہے، جنہوں نے خدا کے حکم کی تعمیل کی۔ بھوک کی مصیبت پیاس کی تکلیف گوارا کی اور فرض کے ادا کرنے میں کو تاہی نہ کی تکلیف کو راحت، اور مصیبت کو نعمت سمجھا۔ مہینہ بھر تک بھوکے پیاسے رہ کر یہ دکھا دیا کہ دنیا کی کوئی چیز ہمارے فرض ادا کرنے میں رخنہ نہیں ڈال سکتی۔

عید کا چاند ایک مشہور مثل ہے جو بڑی مشکل سے دکھائی دیتا ہے۔ اس مثل کا حال ان ہی خدا کے بندوں کے دل جان سکتے ہیں جنہوں نے ایک دو نہیں پورے تیس دن اور دن بھی گرمی کے پہاڑ سے اس طرح گذار دیے کہ دانہ تک اُڑ کر نہیں گیا۔ جانور تک ہانپتے پھر رہے ہیں۔ مگر ان پاک نفسوں کے ہونٹ پانی کے قطرے سے آشنا نہیں۔ اس طرح پورا ایک مہینہ گذار کر اُنتیس کی شام کو اُن کے منہ آسمان کی طرف اُٹھ گئے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا شروع کیا کہ شاید چاند نظر آجائے اس مثل کے معنی کچھ سمجھ سکتے ہیں۔ تو یہ ہی لوگ کس مشکل سے اُن کی آنکھیں آسمان پر چاند کو ڈھونڈتی ہیں اور دکھائی دیئے جانے کے بعد فرض کے ادا کرنے کی خوشی اُن کے دلوں پر کیا اثر کرتی ہے۔

غالباً حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہے، عید کے روز لوگوں کو دیکھا کہ چاروں طرف خوشی کے مارے اُچھلتے کودتے پھر رہے ہیں۔ خاموش کھڑے ہو گئے۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ آج مسلمانوں کی عید ہے۔ آپ اس طرح کیوں چُپکے کھڑے ہیں۔ یہ سنتے ہی آنکھ سے آنسو نکل آئے اور فرمانے لگے کہ میں ایک میدان دیکھ رہا ہوں جس کی سرحد مسعود آج کا روز یعنی عید ہے مسلمان

اس میدان میں دوڑے کہ اس منزل پر پہنچیں۔ اب نہیں معلوم کہ کون منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ کون بھٹک گیا۔ اور کس نے منزل تک پہنچنے کا ارادہ ہی نہیں کیا۔ بخدا ان میں سے جن کو یہ معلوم ہو جائے کہ منزل تک پہنچ گئے تو وہ چیختے چیختے بے ہوش ہو جائیں۔ میں ان سب کی حالت پر تعجب کر رہا ہوں اور اپنی حالت پر رو رہا ہوں۔ نہ معلوم میں میدان میں کیسا دوڑا اور منزل مقصود تک پہنچا یا دور رہ گیا

اسی طرح ایک اور بزرگ کا ذکر ہے۔ جب عید کے روز لوگوں نے انھیں روتا ہوا دیکھا اور سبب دریافت کیا تو فرمانے لگے کہ یہ کیوں کر معلوم کر لوں کہ فرض والے کا فرض پورا ہو گیا۔

عید کی خوشی مسلمانوں میں عالمگیر خوشی ہے۔ دنیا کا کوئی حصہ کوئی ملک کوئی شہر۔ گاؤں، کوئی قصبہ، دیہات ایسا نہ ہوگا۔ جہاں یہ خوشی نہ منائی جاتی ہو مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس خوشی کی اصلی وجہ کیا ہے۔ اور اس دن کو کیوں مقرر کیا گیا ہے صرف اس لیے کہ مسلمان اس پاک ذات کے حکم کی تعمیل سے فارغ ہو گئے جس کو وحدہٗ لاشریک یقین کر رہے ہیں۔ اور عید کی خوشی ان کو بتاوے کہ فرض کے پورا کرنے کی کتنی خوشی ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے فرض کے ادا کرنے میں ہمیشہ مستعد رہیں۔

ممکن ہے اور مذہبوں نے بھی ایسی تعلیم دی ہو۔ لیکن اسلام کی اس تعلیم کا بڑا منشا یہ تھا کہ مسلمان اپنے فرائض کے ادا کرنے میں توجہ کریں، مگر افسوس جہاں ہم نے اور بہت سی اچھی باتوں کی اصلی خوبیاں غارت کر دیں وہاں عید کی جو اصلی وجہ تھی اس سے بالکل غافل ہو گئے۔ اور سیکڑوں مسلمان مرد اور عورتیں ایسے نکلیں گے جنھوں نے شاید روزہ تو ایک نہ رکھا ہو۔ مگر عید کا لباس اللہ چاہے محلہ بھر میں

سب سے بڑھیا نکلے گا۔

ہم دیکھتے آتے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان مرد بھی اور عورتیں بھی لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی ایک معقول رقم عید کی نذر کر دیتے ہیں۔ بہت سے اللہ کے بندے تو قرض تک کی پروا نہیں کرتے۔ پیچھے چاہے تقاضا ہو یا اور تکلیف ہو تو مگر عید کے روز چھیلا اور دولہن بنا فرض جو کچھ خدا دے، چاہے وہ سنوں سے کھاؤ پیو، اوڑھو۔ پہنو، شکوہ نہ شکایت کہنا نہ سننا۔ مگر اس کے کیا معنی کہ پلے پیں نہیں، اوڑھنی اگرہ میں نہیں کوڑی۔ قرض لو چاہے کوئی چیز بیچو۔ مگر عید کے دن کسی سے ہیٹے نہ رہو۔

اسلام کی غرض صرف اسی ہے کہ پاک صاف کپڑے پہن کر خدا کا شکریہ ادا کرو کہ اس نے اس فرض کے پورا کرنے کی توفیق دی یہ نہیں کہ بغیر پچاس روپیہ کے جوڑے کے عید ہی نہیں بن سکتی۔ منجملہ اور بہت سی خوبیوں کے روزے کے فرض کرنے سے ایک منشاء اسلام کا یہ بھی ہے اور ضرور ہے کہ جو پیٹ بھر کر کھا سکتے ہیں وہ بھوکوں کی تکلیف کا اندازہ کر سکیں۔ تاکہ ان کی مدد کے وقت اپنی بھوک کو یاد کریں۔ اور بچوں والیاں جس وقت عید کے روز اپنے بچوں کو نہلا دھلا کر کپڑے پہنائیں، کلیجہ سے لگائیں دیکھ دیکھ کر باغ باغ اور نہال نہال ہوں اس وقت اس معصوم کا بھی خیال رکھیں جس نے دیوار بیچ رات کا بڑا حصہ اپنے ماں باپ کی یاد میں گذار دیا۔ اور آج کوئی اتنا نہیں کہ عید گاہ لے جانا تو درکنار اس کے میلے کپڑوں کو اجلا۔ پرانوں کو نیا، اور ٹوٹی جوتی کو ثابت کر دے۔ مائیں جس وقت اپنی پیاری بچیوں کے ہاتھ میں عید کی مہندی لگائیں، اس وقت آنکھ اٹھا کر یہ بھی دیکھ لیں کہ ایک یتیم بچی بھی مٹر مٹر ان کا منہ تک رہی ہے۔ اور اس کا حسرت بھرا دل اپنے ماں باپ کو یاد کر کے رو رہا ہے۔ گھر والیاں جب عید کے حصے

اور عیدگاہ کے کھلونے تقسیم کریں۔ اس وقت اتنا خیال رکھیں کہ ان کچوریوں مٹھائیوں اور کھلونوں میں ان عزیزوں اور پڑوسیوں کا بھی حق ہے جن کے سر پر وارث نہیں رہے اور جن کی آنکھیں شوہروں کی یاد میں ندیاں بہا رہی ہیں

کیسے بڑے افسوس کی بات ہے کہ مسلمان ان ضرورتوں پر مطلق توجہ کریں اور بجائے اس کے کہ اسلام کا یہ منشاء پورا کریں اور الٹی چال چلنے لگے دوسروں کی مدد تو درکنار، عید کے طفیل وہ اس قابل ہونا چاہتے ہیں کہ خود بھی دوسروں کی مدد کے محتاج ہو جائیں

عید کا سب سے بڑا اور سب سے ضروری راز فرض کے ادا کرنے کی خوشی کا سامان ہے جس وقت ایک شخص یہ سمجھ لے کہ فرض کے ادا کرنے کی خوشی کیسی وقعت رکھتی ہے اس وقت ضرور ہے کہ وہ اپنے فرائض کے ادا کرنے میں پوری پوری مستعدی ظاہر کرے گا اور وہ شخص جو فرائض ادا کر رہا ہے خواہ وہ دین کے ہوں یا دنیا کے تو اس شخص سے بہتر انسان کہلائے جانے کا مستحق کوئی نہیں ہو سکتا جب سے ہوش سنبھالا اس وقت سے وہ اس وقت تک اگر سینکڑوں اور بیسیوں نہیں تو کتنی عیدیں آئیں اور گئیں اور خدا کا شکر ہے سب ہی منائیں مگر آج تک یہ خیال کبھی نہ آیا کہ عید گئی تو یہی فکر کہ کل عید ہوگی

عید کے رات اور دن چوبیس گھنٹے کا ہر لمحہ چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ اسے اسلام کا دعویٰ کرنے والے مسلمان دیکھ فرض کے ادا کرنے کی یہ خوشی ہوتی ہے کہ جس نے تمام دنیا کو گلستان بنا دیا۔

امید ہے کہ اس مضمون کی پڑھنے والی بہنیں اور بھابیاں مائیں اور بیٹیاں ساسیں اور بہوئیں بیویاں اور گھر والیاں اس مبارک دن کی خوشی منانے سے پہلے اپنے فرائض پر غور کریں گی خدا ان کو توفیق دے کہ وہ اسی طرح اپنے تمام فرائض ادا کر کے خوشیاں منائیں اور مذہب کی اس عید کے بعد اللہ ان کو ادائیگی فرض کی دن رات عیدیں منانی نصیب کرے۔

عصمت اکبر سلطانہ

مسلمان فیشن ایبل خاتون کی ڈائری میں عید کا روز

ہم عید کا ارادہ مہینوں سے کر رہے تھے۔ مگر صاحب کو چھٹی ہی نہ ملتی تھی۔
بہت مشکل سے ایک ہفتہ کی چھٹی اس طرح ملی کہ ستائیسواں روزہ تھا اس
نے جو کہ تاج نہ دیکھا تھا۔ اس لئے ہم اتوار روز آگرہ روانہ ہو گئے۔ تاج بہت
اچھی عمارت ہے۔ مگر افسوس پریشانی کی وجہ سے ہماری سیر خاک میں مل گئی
ہم جس ہوٹل میں ٹھہرے وہ شہر کے وسط میں تھا۔ اس لئے روزوں کا اثر
ہماری سیر پر بہت برا پڑا۔ ہمارے برابر والے کوٹھے پر ایک پنجابی تاجر رہتا
تھا۔ مگر مجسم قسم کا بد مذاق اور بے حس انسان تھا۔ چار بجے سے اس نے
خمیری روٹی اور آلو کا سالن تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ نہایت میلے کچیلے لنگڑے
لولے مرد اور عورتیں جمع ہو گئے جن کی صورتیں جاہلیں۔ لباس وضع دیکھ
کر جی متلا رہا تھا۔ مگر تعجب ان مسلمانوں پر تھا جو روزے رکھ کر خوش ہو رہے
تھے۔ مجھے اندیشہ تھا کہیں روزہ نہ ٹوٹے۔ غنیمت ہے کہ محفوظ رہی۔ مگر یہ اس
قدر تکلیف دہ منظر تھا کہ اب تک اس کے خیال سے اذیت ہوتی ہے۔ مبارک
ہوگا وہ روز جب ہندوستان سے خیرات کا ادارہ غارت ہوگا۔

دوسری شب کا ہمیں ڈھنڈوروں اور گویوں کی تھی۔ جو رات کو دو بجے

اور شام کو روزہ داروں کے واسطے بجتے تھے۔ کوئی معقول آدمی رات کو اس شور میں ہرگز نہیں سو سکتا۔ روزہ دار روزہ اپنے واسطے رکھتے ہیں۔ ان کو ہرگز یہ حق نہیں کہ دوسرے کی نیند خراب کریں۔

تکلیف یہ بھی کچھ کم نہ تھی کہ بعض مسلمان ہوٹل والوں کے ہاں عمدہ عمدہ چیزیں جو دو دو روپیہ میں اس مہینہ میں صرف شام کو تیار ہوتی تھیں۔ رمضانی کے کباب ایک دن بھی ہم کو دن کے وقت نہ مل سکے اور کھانا بہت بدمزہ کھایا۔

۳- جون۔ آج اعتماد الدولہ گئے۔ بہت اچھی جگہ ہے ارادہ ہوا کہ آج شام کا کھانا یہیں کھائیں۔ مگر رمضان کا اثر اس مقصد پر بھی پڑا۔ گاڑی والا ایسا بھاگا کہ باوجود گنے دام دینے کے شام کو ٹھہرنے پر رضامند نہ ہوا اور روزہ کا عذر کرتا رہا۔

سکندرہ کی سیر باقی تھی کہ چاند ہو گیا۔ ساری رات دو کانیں کھلی رہیں۔ اس قدر غل رہا کہ مطلق نہ سو سکی۔

۴- جون۔ آج عید تھی۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں کی مفلس قوم نہایت بیدردی سے روپیہ ضائع کرتی ہے۔ اپنے برآمدہ میں بیٹھی دن بھر یہی سوانگ دیکھتی رہی۔ نہایت مفلس اور جاہل بھی مگن تھے۔ بچے گود میں فضول کھلونے ہاتھ میں مٹھائیاں اور ترکاریاں خرید رہے ہیں اور گلے مل رہے ہیں۔

مجھے بہت ہنسی آئی جب ہوٹل کے بیرے نے جو مسلمان تھا ہم سے دریافت کیا کہ آج عید ہے۔ سویاں کھائیے یا کس قدر بھیج جائیں۔ مجھے تعجب ہے لوگ یہ ثقیل غذا کس طرح ہضم کر لیتے ہیں۔ سوئیوں کے ہضم کرنے کو عربی معدوں کی ضرورت ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی یہ تقلید تعجب انگیز ہے۔

اُمِ جعفر کی عید

شوہر کے بعد چونکہ دونوں بچے نابالغ تھے۔ اس لئے مملکت
فضا کا تمام انتظام ملکہ نرگس کے سپرد ہوا۔ گو یہ اعلان حکومت
عارضی تھا۔ پھر بھی خاندان الطہر کے مقتدر اراکین اس خیال سے کہ ان
کی حکمراں ایک خاتون ہے، خوش نہ تھے۔ لیکن نرگس دیکھنے میں معمولی پرند
سہی، مگر اس خاندان کی لڑکی تھی جس میں نسلاً بعد نسلٍ سات پشت سے
حکومت کا سلسلہ منقطع نہ ہوا۔ تیرہ سال والی حکومت نہیں بو والی حکو
کی ملکہ رہی۔ اور یہ دور ایسا تھا جس سے سلطنت کے تمام کاروبار اس کی
سمجھ میں آگئے۔ شوہر کا صرف نام تھا کام سارا نرگس کر رہی تھی زمام سلطنت
ہاتھ میں آتے ہی، اس نے سب سے پہلے رہزنی و قزّاقی کا انسداد کیا۔
اور اس کا بہترین انتظام یہ تھا کہ کمزوروں کی حفاظت طاقتوروں کے
سپرد کی، اور ہر با اختیار کو ذمہ دار قرار دے دیا۔ شاہین و شہباز جیسے

مشہور ڈاکوؤں کو خاصے گراں بہا دے کر وظائف مقرر کئے حتیٰ کہ سد راہ رات عطا فرمائی ۔

مغرب رسمہ کی طرح رئیس کو بھی انتخاب ورارت میں مطعون کرتا ہے ۔ حقیقت جو کچھ ہو ۔ لیکن سو دیکھا دہ یہ ہے کہ ایک ہی مہینے میں ارض داؤد کی کایا پلٹ گئی ۔ جہاں سب دور دور خاک اڑتی تھی ۔ وہاں اب کوہ حسیمہ کی بلند چوٹیوں پر بلبلان خوش الحان کے آشیانوں کی قطار دور تک پھیلی ہوئی تھی ۔ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ندرت نرگسیں کے ساتھ تھی ۔ جن چٹیل میدانوں میں بپی ہوئی چٹانوں کے سوا کچھ نہ تھا وہ دریائے فرات کی خوشنما لہروں کا مسکن بنے اور وہ سن و ـ ف جنگل بیابان جہاں عالم سنسان تھا وہاں ہر لمحہ آبشار ملہار گاتے ۔ صبح اور شام جب ارض داؤد کے بسنے والے ایسی نغمہ سنجی میں مصروف ہوئے اور سہاہ حقیقی کے ساتھ ملکہ نرگس کے اقبال کی دعا کرتے تو ہواؤں کا تمتموجوتی ۔ پھول وجد میں آکر جھومتے اور دریا کی لہریں اس دلفریب نظارے کو چٹانوں سے اٹھ اٹھ کر جھانکیں جہاں بادشاہ عقاب کی رحمت کا وہ پورے کا پورا نور اتا لہ جو سبہ سالار زراع ورعی کی سرکردگی میں محض سیر و سیاحت کی غرض سے آیا اور پہلی ہی منزل میں تکا بوٹی ہوگیا ۔ وہاں آج یہ کیفیت ہے کہ چڑیوں کے انڈے اور پوتوں کے بچے چاروں طرف لڑھکے اور اڑتے پھرتے ہیں ۔ لیکن کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا کیسی مالی رشک اور بے فکری زندگی تھی ۔ آزاد ہوا میں اڑتے اور مطمئن آستانوں میں سوتے علی الصباح جب یاروں کی نرم دہیم رہیم ہوتی تو صبا کی ٹھنڈی

ہوا میں نرگسیں کی شاہانہ سواری نکلتی اور ادھر کے غلغلے بلند ہوتے اور روشنیوں اور کثرتِ ذوق کا یہ عالم تھا کہ چاند حسرت سے تکتا جھکتا مڑتا اور تارے ترستے ہوئے مدہم ہوتے۔ یہ وہ وقت تھا کہ خاندان عباسیہ کے تاجدار ہارون الرشید کے سر پہ دولت کی ہرتی بھری چھاؤں اپنا سایہ ڈال چکی تھی۔ امام ابو سفیان ثوری کا نام آسمان رشد پر روشن ہو چکا تھا اور کثیر عزہ کی شاعری مملکت بغداد پر اپنا سکہ بٹھا چکی تھی۔ لڑکا سنِ بلوغ کو پہنچا اور ملکہ نرگسیں نے نظام مملکت اس کے سپرد کر دیا۔"

ولیعہد کے تخت نشین ہونے کی خوشی میں ایک رات جگمگاتا باگیا جگنوؤں کی چمک سے ارض بغداد کو بقعۂ نور بنا دیا تھا۔ دور دور کے پرندے اور مدتوں کے بچھڑے عزیز اس جلسہ میں آکر جمع ہوئے۔ آدھی رات موسیقی میں بسر ہوئی۔ اس کے بعد سب نے اپنے اپنے مشاہدات اور خیالات کا اظہار کیا۔ کسی نے ہوا پر گفتگو کی، کسی نے بارش اور بجلی پر، کسی نے چاند اور تاروں پر، کسی نے سبزہ اور مہتاب پر۔ رات ختم ہو رہی تھی اور صبح کا وقت قریب چلا آتا تھا کہ ایک طوطی خوش الحان اٹھ کر زمین بوس ہوئی اور بآوازِ بلند کہا۔

"ملکہ عالم میں آپ کی مہمان نہیں ہوں۔ ایک جستجو میں نکلی تھی، پھرتی پھراتی ادھر بھی آگئی۔ مجمع دیکھا ٹھٹک گئی۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔ آپ کے بچے کی عمر دراز ہو۔ اجازت دیجئے کہ میں جاؤں"

ملکہ۔ "میں آپ کے احساں کی بے حد ممنون ہوں آپ نے جہاں اتنا کرم فرمایا تھوڑا صبر اور کیجئے۔ اور اپنے وطن، اپنی زندگی اپنے تجربہ کا حال ہمیں

بھی سنا ہیے تاکہ ہم اس سے مستفید ہو سکیں

طوطی "ملکہ بات ختم ہوگئی - اب دھوپ چڑھ جائے گی۔ میری منزل مقصود بہت دُور ہے اور نہ معلوم کدھر اور کہاں - ٹھہری تو ڈھیر ہو جاؤں گی - اور ایک دن بالکل بے کار ہو جائے گا۔ مجھے جانے دیجیے ٹھنڈی ٹھنڈی ایک آدھ منزل طے کروں گی - نیا دانہ نیا پانی - شاید مراد پوری ہو، اور جو ڈھونڈ رہی ہوں وہ مل جائے"

ملکہ "ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ اپنی داستان ہمیں بھی سناتے۔ آپ ہماری ہمجنس ہیں آخر کچھ ہمارا بھی حق ہے۔ صرف آج دن بھر دم لے لیجیے شاید ہم آپ کو کچھ مدد دے سکیں"۔

ملکہ کی درخواست ختم ابھی نہ ہوئی تھی کہ ہر طرف سے تائید ہوئی اور نووارد مہمان نے اپنا واقعہ اس طرح کہنا شروع کیا۔

"سرزمین بغداد یہاں سے شاید میں چار روز کا راستہ ہوگا۔ میں وہیں کی رہنے والی ہوں۔ ابھی بچہ ہی تھی کہ صیاد کے ہاتھ گرفتار ہو کر ایک امیر کے محل میں اور بیگم کے قبضہ میں پہنچی۔ اس کی ریاست و امارت پر رشک کرنا کفر ہے۔ دنیا کی ہر نعمت اور زندگی کی ہر راحت اس کے حضور میں دست بستہ حاضر تھی۔ مگر باوجود اس شوکت و ثروت کے نخوت و تمکنت اس کے پاس آکر بھی نہ پھٹکی تھی، میری آؤ بھگت اور مدارات کیسی ہوتی - اس سے سمجھ لو۔ کہ چند ہی روز میں وطن کی محبت اور عزیزوں کی شفقت سب بھول بسر گئی۔ قید میں تھی ایسے انسان کی کہ وہ قید آزادی سے بہتر، گرفتار تھی، مگر اس بیگم کی، جس کی گرفتاری اطمینان سے اچھی۔ سونے چاندی کا گنگا جمنی پنجرا میرا آشیانہ بنا۔ جواہرات کی کلیاں میرے برتن ٹھیرے - اور جس کے آگے ہزاروں نوکر اور مامائیں موجود تھیں، وہ خود میری

خدمت گذار ہوئی - یہ سماں جو آج ہیں نظر ہے ہمارے ہاں ہر لمحہ تھا - اور یہ جلسہ جو شاید اب تم عمر بھر نہ دیکھو گے ہر ساعت دیکھتی تھی - المختصر میں وہاں تھی جہاں ہر متنفس مطمئن اور ہر شخص بے فکر تھا - اور ان لوگوں میں تھی جن کا ہر روز روز عید اور ہر رات شب برات تھی - جب اس کا خاص تہوار مذہبی خوشی

یوم العید

سر پر آیا تو کس طرح بتاؤں کہ کیا ہوا - محل اور محل سرا باغیچے اور باغیچیاں ڈیوڑھیاں اور دروازے اور صحن اور صحنچیاں العرض اس عالیشان عمارت کا چپہ چپہ اور کونہ کونہ صدائے انبساط دے رہا تھا - جب مؤذن نے خلق اللہ کو روز عید کی آمد کا مژدہ سنایا تو بیگم اپنی سیجوں سے اُٹھی - وضو کیا اور معبود حقیقی کے حضور میں حاضر ہوئی - بعد الفراغ سجدہ میں گری رو رہی تھی کہ اس کا کھٹکا ہوا اور بیٹا کھڑا تھا - سلام پھیرا بیٹے کی صورت دکھائی دی - برس کا برس دن تھا - فرط محبت سے لپٹی پیار کیا - گلے میں ہاتھ ڈالے سر کو بوسہ دیا داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور کہا "خدا عمر دراز کرے - اقبال میں ترقی دے - لیکن میرا دل بیٹھا جا رہا ہے مجھ پر ایسی عید کبھی نہیں آئی - آج میرے دل کو کیا ہو گیا - میں اس عزت میں ذلت اس اقبال میں بربادی - اس عروج میں زوال اس بہار میں خزاں کی جھلک دیکھ رہی ہوں" اتنا کہہ کر بیگم رونے لگی - بچہ ماں کے کلیجہ سے چمٹا ہوا خاموش، اور بیگم کا سر اوپر تھا آنسو پونچھ ڈالے اور دریچہ میں لئے ساتھ آئی - سینکڑوں بندگان خدا ننگے بھوکے محتاج فقیر کھڑے تھے - ترقی اقبال کے نعرے لگائے بیگم نے سات سو خلعت گراں بہا اپنے لال پر سے تصدق کرکے غربا کو دیئے اور التجا کی درازی عمر کی دعا کرو -

کارخانہ حیات کی ہر چیز فانی - جلوہ گاہ دنیا کا ہر تماشا متزلزل - دنیائے

زندگی کی ہر خوشی زوال پذیر اور ہستی ناپائدار ہے۔ ہر چیز کو فنا ہے۔ یوم العید
اچھلتے کودتے ہنستے بولتے ختم ہو گیا۔ بیگم نے خزانوں کے منہ کھول دیے تھے
کوئی سائل ایسا نہ آیا جو نہال ہو کر نہ گیا ہو۔ ذرا اب تھوڑی دیر کے
واسطے اس وقت کو یاد کرو جب ہم اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو بھراتے ہیں۔
اور یہ بے زبان چیں چیں کرتے دم کو تھرکاتے پروں کو پھڑکاتے ہمارے
سامنے پھرتے ہیں۔ انسان ہماری طرح بھراتا نہیں۔ او انسان دودھ
پلاتی ہے۔ تم مشکل سے سمجھ سکو گی کہ اس دودھ سے جو بچہ پلا ہو گا وہ کیسا
ہو گا۔ اور چھوٹنے کے بعد اس دودھ نے اس شخص پر کیا اثر چھوڑا ہو گا،
ابھی عید کی رات نہیں آئی۔ آفتاب غروب ہونے والا ہے۔ لیکن تھوڑی
دیر کے واسطے پیچھے ہٹو۔ رمضان کی ابتدائی تاریخیں ہیں۔ بصرہ کا رہنے
والا ایک تاجر ہے جو موتی کی تجارت کرتا تھا۔ بصارت کمزور ہو گئی اور کاروبار
بالکل بگڑ گیا۔ ہر چند کوشش کی کہ اس نقصان کی تلافی ہو، مگر روز بروز
اور لمحہ بہ لمحہ بدتری تھی۔ چند ہی روز میں نوبت فاقوں کی پہنچی۔ امیرانہ
زندگی بسر کر چکا تھا۔ طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ افلاس میں عزیزوں کے
آگے ہاتھ پھیلاؤں۔ بیوی اور معصوم فاقہ زدہ بچوں کو لے کر ہماری
سرزمین پر وارد ہوا۔ ہماری محلسرا آنکھ کے سامنے آئی۔ دل کڑا کر کے
خود اندر داخل ہوا اور بیوی بچوں کو سڑک پر کھڑا کر کے خدا کے سپرد کیا
چاروں طرف مالک مکان کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ لیکن پتہ نہ چلتا تھا۔ ایک
شخص برہنہ سر ملا۔ حالت زار سن کر افسوس کرنے لگا۔ ایک کمرہ میں لیجا کر بٹھایا
اور کہا کہ صاحب خانہ سے یہاں ملاقات ہو گی۔ تھوڑی دیر بعد دو ملازم حاضر
ہوئے۔ ساتھ لے جا کر غسل کرایا۔ کپڑے بدلوائے اور دستر خوان بچھا کر انواع و

اقسام کے کھانے کھلائے۔ یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ اگرچہ بہت خوش تھا۔ لیکن بیوی بچوں کا خیال ہر لحظہ پریشان رکھتا تھا۔ جب ہلال عید نے بساط زمین پر دف شادمانی بجا دیا، تو غریب الوطن مسافر نے بصد حسرت پاس ایک ملازم سے کہا۔

"تمہارے آقا کی مہمان نوازی ایسی نہیں ہے کہ میں اس کا شکریہ ادا کر سکوں اگر ملاقات میسر ہو جاتی تو خوش نصیبی تھی۔"

نہیں! اس بات کو ابھی چھوڑ دو۔ یہی عید کا روز ہے آفتاب غروب ہو چکا ہے۔ رات شریف محتاجوں کی پردہ پوش روئے زمین پر پھیل گئی تو بیگم کا لال وہی صاحب خانہ اپنے مہمان کی خدمت میں حاضر ہوا چہرہ ہاتھ سے چھپا ہوا تھا۔ اور آنکھیں نم تھیں۔ کہا میرے ساتھ چلئے۔ تھوڑی دور ساتھ لے جا کر ایک مکان کا دروازہ دکھایا کہ اس کے اندر جائیے اور پھر میرے پاس آئیے۔ کچھ عرض کروں گا۔ مسافر اندر جا کر دیکھتا ہے تو اس کے بیوی بچے زرق برق پوشاکوں میں جگمگا رہے ہیں۔ ششدر رہ گیا پھر باہر آیا تو صاحب خانہ نے جس کی آنکھ سے آنسوؤں کا دریا بہہ رہا تھا کہا۔ میں ہی ہوں وہ شخص جس کی آپ کو تلاش تھی۔ جو آپ کو مکے میں ملا تھا۔ اگر اس مہمان نوازی میں کوئی لغزش ہو گئی ہو تو آج شب عید ہے للہ معاف کر دیجئے گا یہ مکان آپ کی ملکیت ہے اور یہ ایک ہزار اشرفیاں *

جس طرح عید کا روزہ اپنے اثرات چھوڑ کر ختم ہوا اسی طرح رات بھی اپنی یادگار چھوڑتی ہوئی صبح ہو گئی۔ ایک دو مہینے اس کے بعد سینکڑوں راتیں اور دن آئے اور گئے۔ اور وہ دن بھی آ گیا جب [illegible] ان کو حالت ضعیفی میں اسے بچہ کی خبر موت سنائی۔ جوان پسر کی موت سے بڑھیا ماں کی

* تصویر صفحہ ۲۴ پر دیکھئے۔

تصویر متعلق صفحہ ۲۳
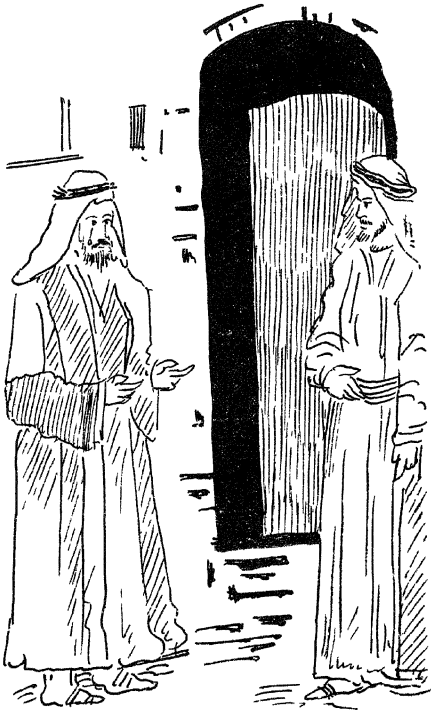
آنکھوں میں دنیا اندھیر کر دی۔ قتل رائل ہوئی ہوش رخصت ہوئے۔ حواس جاتے رہے۔ کلیجہ نکل پڑا۔ ساکت رہ گئی۔ دفعتہً ایک ہوک اٹھی اور ساتھ ہی بچہ کی تصویر آنکھ کے سامنے آگئی۔ اس کی باتیں اس کی اطاعت اس کی خدمتگاری نے اس زخم پر نشتر دیئے۔ سنبھلی۔ مگر ساتھ ہی خیال آیا ہائے مفارقت ابدی

بڑھیا ماں زندہ اور جوان بیٹا مردہ

ایک چیخ ماری اور کہا دشمنوں نے میرے کلیجے کا ٹکڑا مجھ سے جدا کر دیا، وہ خوش ہیں اور خوش رہیں کہ میں اب اس چاند سی صورت کو ترسوں گی۔ اس کی باتوں کو ترسوں گی۔ اس کو روؤں گی۔ اس کی آواز کو اس کے دیدار کو اس کے کرم کو اس کے رحم کو۔ اس کی خدمت کو۔ لیکن ہائے میرا بچہ وہ بچہ تھا کہ مادر گیتی اب ایسا نہ جنے گی۔ تاریخ اس کے نام کو سینچے گی اور زمانہ اس کے نام کو جگائے گا۔ آج سکم نے میرا پنجرہ کھول دیا اور مجھ سے کہا جا طوطی اب تو آزاد ہے۔ میں نے تجھ کو قید کیا تھا یری خدمت کرتی تھی۔ اب تیری خدمت کے قابل نہیں رہی۔ جا، اڑ جا، خدا حافظ۔

میں آزاد تھی۔ مگر اکثر وہیں رہتی تھی۔ چند روز کا واقعہ ہے کہ ایک صبح کو جب میں ایک ممٹی پر بیٹھی تھی، مجھ کو معلوم ہوا کہ آج روز عید ہے لوگ بنے ٹھنے اُجلے صاف کپڑے پہنے جا رہے تھے۔ جس گھر پر میرا گذر تھا وہاں ایک بڈھی عورت رہتی تھی۔ جس کا بچہ نہا دھو کر کپڑے تبدیل کرنے والا تھا کہ دفعتاً ایک بڑھیا اس گھر میں داخل ہوئی۔ اس کے پاؤں میں جوتی نہ تھی۔ اس کی ردا میں آٹھ پیوند تھے۔ جس کے نیچے کوئی کپڑا سینہ چھپانے کو نہ تھا۔ اس کے پاجامہ کی دونوں پنڈلیاں ننگی تھیں مگر گھر والی اس کی صورت دیکھ کر اس کے پاس آئی اور کچھ ایسی باتوں میں

مصروف ہوئی کہ لڑکا بگڑ تا گڑ اتا میلے کپڑے پہن عید گاہ چلا گیا۔

اب میرا کلیجہ شق ہوتا ہے اگر بتاؤں کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا سنو

وہ صاحب جاہ جس نے مہمان کی یہ مدارات کی اور رو رو کر

اس کی خدمت کی جعفر برمکی ہارون الرشید

کا وزیر تھا اور یہ زدہ حال بڑھیا

اس کی ماتھی عتابہ

سنہ ۱۷ء

عید کا چاند

میرے گھر میں نمودار ہوا

مریض کی اپنی رائے بھی کچھ وقعت رکھتی ہے۔ حکیم اور ڈاکٹر کی
مایوسی کے علاوہ خود جمن بھی اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔ مگر اتفاق
دیکھو کہ اکیسویں روز بخار بھی اتر گیا۔ بخار کے ساتھ ہی تمام شکایتیں رفع
ہوئیں۔ ایک کمزوری البتہ باقی تھی۔ اس کا چنداں خیال نہ تھا۔ وہ پہلے
روز گھر سے باہر نکلا کہ چند قدم ٹہلے۔ دروازہ ہی میں ڈاک ملی۔ دونوں بیویوں
کے نام خط تھے۔ پہلے چھوٹی بیوی کا خط کھولا، جو جہیتی بیگم تھی لکھا تھا۔
ثروت آرا تمہارا خط پہنچا۔ اب ہم سے کیا کہتی ہو۔ جیسا کیا ویسا بھگتو۔ تم کو
ہر چند منع کیا کہ اگر نکاح ہی کرنا ہے تو کسی مالدار آدمی سے کرو چھوکرا بھی ہو اور
قدرداں بھی۔ رحمن چیونٹیوں بھرا کباب۔ بیوی موجود بچے موجود۔ ڈیڑھ سو روپیہ
ماہوار کی آمدنی۔ کیا پدی کیا پدی کا شوربا۔ مگر تمہاری سمجھ میں خاک نہ آیا

اب رونے سے کیا حاصل۔ تم نے لکھا ہے "رحمٰن بیمار ہے، زندگی کی امید نہیں خدا کا شکر ہے۔ پیچھا چھوٹا۔ صبح شام پاپ کٹا، اور میں آئی" اور آئی بھی تو کس کام کی، جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ کہاں بیٹھوں گی اور کون کھلائے گا ادھر کا رخ نہ کرنا"

اس خط کے پڑھتے ہی رحمٰن کے ہوش اڑ گئے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ بازاری عورت بیویوں پر سبقت لے گئی۔ بلا سے لڑتی جھگڑتی ہے بدمزاج ہے، میں مرگیا تو عمر بھر روئے گی آنکھوں کے سامنے اندھیرا آگیا۔ قدم نہ اٹھ سکا جھکا کر وہیں بیٹھ گیا دوسرا خط بڑی بیوی کا تھا۔ اس کا خیال آتے ہی ارادہ کیا کہ پھاڑ کر پھینک دوں مگر کچھ سوچا، اور نفرت سے کھولا۔ سب سے پہلے ایک پرچے پر سطر پڑی جو یہ تھا "چھوٹی آپا جان سلام علیکم۔ خالہ جان تو کل اجمیر گئیں۔ نہ اسمہ میں تمہارے پاس ٹھہر سکی اس لئے یہ خط واپس کرتا ہوں"

اب رحمٰن نے بیوی کا خط پڑھا جو اس نے اپنی خالہ کو لکھا تھا۔

خالہ جان آداب۔ آج بارھواں دن ہے، کہ آپ کے داماد بخار میں لوٹھ پڑے ہیں۔ دل اڑا جاتا ہے۔ ہوش ٹھکانے نہیں۔ کیا کروں دیکھئے عید کا چاند مجھے کیا دکھاتا ہے۔ خدا مجھ کو اس وقت زندہ نہ رکھے کہ میں ایسی ویسی سنوں، الٰہی ان کی آئی مجھ کو آجائے۔ مگر وہ اچھے رہیں۔ غضب یہ ہے کہ مجھ کو جانے کا حکم نہیں۔ خدمت تو درکنار صورت کو ترس رہی ہوں۔ سارا دن اور ساری رات چھت پر بیٹھی رہتی ہوں کہ شاید کوئی آواز کان میں آجائے۔ میں ثروت کا مقابلہ نہیں کرتی اس کو خدا نے عمر دی۔ صورت دی سلیقہ دیا دولت دی۔ ہاں اتنی آرزو ضرور ہے کہ اس دم پر قربان ہوجاؤں۔ میرے منہ میں خاک خالہ اماں ان کے بعد میرا کون بیٹھا ہے۔ نہیں پوچھتے تو کیا اپنے گھر میں ہزار من کی بیٹھی ہوں۔ یہ انہی کا ہی طفیل ہے کہ عزت و آبرو سے بچوں کو لئے زندگی گذار رہی

ہوں۔ ایک دن رات کو صبر نہ آیا۔ چھیکے سے جا ایک کونہ میں بیٹھ گئی۔ بدنصیب ہوں۔ ثروت نے دیکھ لیا اور نکلوا دیا۔

میری خالہ اتنا تکلف و مبتک ہو گی۔ یہ یا بجرہ پیہ بھیجی ہوں آتو مدجی کو بلا کر دیدیجئے کہ بخاری شریف کا ختم پڑھ دیں۔ وہ پندرہ روپیہ لیا کرتے ہیں باقی دس روپیہ دو روپیہ مہینہ کرکے اتار دوں گی کسی طرح آرام ہو جائے میں آپ بھی حصن حصین کا ختم پڑھ رہی ہوں۔ خدا میری اور سرے بچوں کی طرف دیکھ لے۔ اب نماز کا وقت آ گیا۔ اچھی خالہ جان میں پھر ہاتھ جوڑ کر کہتی ہوں کہ اس کو دیکھتے ہی ختم شروع کروا دینا۔ باقی دس روپیہ پانچ مہینے کے اندر ہی اندر ادا کر دوں گی"

یہ رحمن کی بڑی بیوی ارشادی کا خط تھا۔ جو دو بچوں کی ماں تھی اور رحمن اپنی ڈیڑھ دو سو روپیہ کی آمدنی میں سے صرف پندرہ روپیہ مہینہ دیتا تھا۔ لیکن عورت دیکھنی اور دکھائی حرام تھی۔ ارشادی کے جذبات اس وقت ایک بجلی تھی جو رحمان کے تمام جسم میں کوند گئی۔ اس کی آنکھ سے فرط محبت میں آنسو نکل پڑے اور جب اپنی لاپروائی اور بے وفائی کا خیال آیا تو کانپ گیا۔ اس کو آج معلوم ہوا کہ عورت کی صفات صرف حسن ظاہری پر ختم نہیں ہوتیں۔ اس کے آگے بھی کچھ ہے۔ اور یہ گھر کی بیٹھنے والیاں اُس جوہر سے مالا مال ہیں۔ جس کا نام شرافت ہے۔ اور یہ وہ سونا ہے جو تپ کر کندن اور گل کر جیدن بنتا ہے۔ یہ وہ ہستیاں ہیں جو سخت سے سخت تکلیف اور بدتر سے بدتر مصیبت بھی خریا سرداری کے دائرہ سے باہر نکلیں ارشادی کی تصویر اس کی آنکھ کے سامنے اس وقت موجود تھی۔ اور آج اس کے دل میں یہ خواہش موجود کہ اس بیوی کے قدموں کی خاک آنکھوں سے لگاؤں وہ لوٹا مگر تھک گیا تھا۔ پہلے ثروت ہی کے ہاں آیا تو صحن میں بیٹھنے کی کوئی جگہ نہ تھی۔

کہنے لگا "میں اس گرمی میں بھی اندر پڑوں" لاڈو کی تیوری پر یہ سنتے ہی بل آگیا۔ وہ آگے بڑھی اور کہنے لگی کہ "یہ آئی۔ یہیں تنبو ہی لینے گیا ہوا ہے میں تمہارے واسطے چولھے میں جھکوں یا پلنگ ڈھوؤں تم تو مرے سے تندرست ہو ہوا حکومت کرنے لگے اور دوسرے کی خبر بھی ہے کہ صبح سے درد میں تڑپ رہی ہوں۔ تم آپ پلنگ نکال لو" ارشادی کی بیگناہی اور اپنے مظالم کی ندامت اس وقت جمن پر اس قدر سوار تھی کہ اس نے بالکل جواب نہ دیا اور باہر نکلا تو شاہی مسجد کی توپیں ہلال عید کا مژدہ پہنچا رہی تھیں۔ ارشادی کے ہاں گیا اور آج وہ ڈھائی سال بعد یہ اتفاق ہوا تھا دبے پاؤں اندر پہنچا اور ایک کونہ میں جھجک کھڑا ہو گیا۔ ارشادی کوٹھے پر کھڑی چاند دیکھ رہی تھی
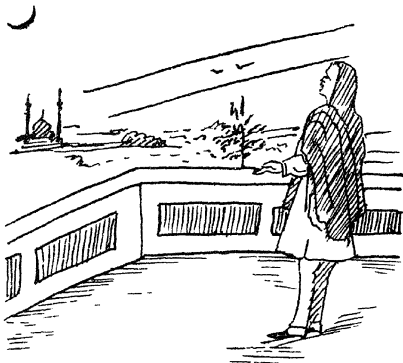
نیچے آئی۔ نماز پڑھی۔ سلام پھیرا۔ اور کہنے لگی "الٰہ العالمین رمضان کا مبارک مہینہ ختم ہوا۔ طفیل ان روزوں کا اور صدقہ اپنے حبیب کا ان بچوں کی عمر دراز

ہو اور ان کے باپ کو صحت عطا کر" ارشادی دعا مانگ رہی تھی کہ بڑا بچہ بھاگا
ہوا آیا اور کہا "اماں چاند ہوگیا کل عید ہے" اس کو بلا کر گلے سے لگالیا اور کہنے
لگی "آؤ بیٹا۔ دعا مانگو کہ اللہ باپ کی عمر دراز کرے" اب رحمٰن آیا، ارشادی دیکھ
کر دنگ رہ گئی۔ گھبرا کر پوچھا "اب جی کیسا ہے" رحمٰن نے اس کا ہاتھ اپنی آنکھوں
سے لگایا۔ اور کہا۔ "میں ظالم ہوں نادم ہوں۔ میری خطا معاف کردو"
اس وقت ارشادی کو تاب نہ رہی۔ رحمٰن کے قدموں میں گر پڑی اور کہا
"میں لونڈی ہوں" رحمٰن نے اٹھایا تو دیکھا کہ آنکھ سے زار و قطار آنسو کی لڑیاں

بہ رہی ہیں۔ اپنے ہاتھ سے اس کے آنسو پونچھے۔ لو ارشادی نے جلدی سے
اجلی دری پر سفید چادر لاکر بچھائی۔ رحمان بیٹھا، اور بیوی سے کہنے لگا "کل
عید ہے" ارشادی مسکرائی اور جواب دیا "ہاں! مگر عید کا چاند آسمان پر
نہیں! میرے گھر میں نمودار ہوا ہے"۔

سنہ ۲۰ء

رسول اللہؐ کی عید

جب ہلال عید مدینہ منورہ کے آسمان پر نمودار ہوا، تو ان سچے مسلمانوں میں جو اسلام کے عاشق زار تھے۔ عید کی تیاریاں ہونے لگیں، اور حقیقی مسرت کی ایک برقی رو ہر مسلم سینہ میں دوڑ گئی۔ اب صبح ہوئی، آفتاب عید طلوع ہوا اور وہ وقت آیا جب ہادیٔ اسلام کا دولھا (روحی فداہ) سجدۂ شکر بجا لانے کو گھر سے نکلا۔ اس چاند کے ہمراہ چاندوں تارے نماز عید پڑھنے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کی اور جماعت بھی ساتھ ہے۔ کہ دفعتاً سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مبارک ایک بچہ پر پڑتی ہے جو ایک جگہ خاموش بیٹھا ہے۔ رسول اکرم تمام جماعت کو چھوڑ کر ادھر تشریف لے جاتے ہیں اور دریافت فرماتے ہیں:-

"بیٹا خاموش کیوں بیٹھے ہو؟" بچہ کی آنکھ میں آنسو آجاتے ہیں۔ اور وہ رو کر کہتا ہے "آج روز عید ہے اور میرے ماں باپ نہیں کہ میں بھی کپڑے بدلوں۔" خدا کا سچا رسولؐ دنیا کا بہترین ہادی اس بچہ کو گود میں اٹھا لیتا ہے۔ اور گھر میں لا کر ام المومنین عائشہ صدیقہ کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے۔ "یہ تمہاری ماں اور میں تمہارا باپ" حسنین علیہ السلام کے کپڑے طلب کئے جاتے ہیں۔ بچہ نہلایا جاتا ہے کپڑے بدلے جاتے ہیں اور حضور انورؐ اس بچہ کو اپنی پشت پر بٹھا کر عید گاہ لے جاتے ہیں۔

فدا۔ قربان، خدا کے سچے رسول۔ تیری مقدس زندگی بتا گئی کہ انسانیت کیا ہے، اور اسلام کیا معنی رکھتا ہے۔

عصمت سنہ ۲۱ء

کواری بیٹی کو
عید کی مبارکباد

سچی بیگم اگلے برس تو آج کے روز تم بچہ تھیں، ناداں تھیں۔ اب کیا آج سال بھر بعد بھی ویسی ہی ناسمجھ ہو گی، عمر میں ایک سال زیادہ ہوا۔ برس بھر کا تجربہ بڑھا۔ بچپن سے ایک منزل آگے بڑھیں۔ جوانی سے ایک منزل قریب پہنچیں۔ بیٹی تم اگلے برس والی بچہ نہیں ہو۔ ماشاء اللہ سیانی ہوئیں، ہشیار ہوئیں۔ بچی سے سچی بیگم ہوئیں۔ تاؤ بیگم ہے کے بھی کچھ کام کئے یا بچہ کی بچہ ہی رہیں۔

آہا آج یہ خوشی کاہے کی ہے؟ عید ہے۔ آؤ ہم تم مل کر عید کی خوشی منائیں۔ بڑھا اور بالا برابر ہیں، ہم تم دونوں یکساں ہیں۔ مگر بیٹی میں نے تو اللہ کا شکر ہے بیسوں روزے رکھے۔ وصول کرنا نہ کرنا اللہ کے ہاتھ ہے۔ میں تو اس کی خوشی مناؤں گا۔ ہم سناؤ تم نے کیسے رکھے۔ تم کس بات کی خوشی منا رہی ہو؟ تم نے بھی روزے رکھے، واہ کیسی روزوں کا حال تو مجھے معلوم ہے۔ پہلے روزے کو تمہارا جی ہی اچھا نہ تھا۔ اماں نے بھی منع کیا ابا جان نے بھی۔ دوسرے اور تیسرے کی مجھے خبر نہیں۔ تیسرا ابھی روزہ تو تھا جو ابا جان سے

سہاگن کی عید

یوں تو تاریخ کے ورق ایسے ایسے واقعات سے بھرے پڑے ہیں جن کو دیکھ کر اگر انسان تھوڑی سی بھی عقل رکھتا ہو تو خوف خدا سے کانپ جائے۔ لیکن ہندوستان کی تاریخ میں ہم کو ایک ایسی عالَموں کی عید ملتی ہے جس کو پڑھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب بابر اور ابراہیم لودھی کی لڑائی جو پانی پت کے میدان میں ہوئی ختم ہو چکی اور اقبال نے فتح کا سہرا بابر کے سر باندھا۔ تو بابر ضرورت کی ضرورتوں سے مجبور ہو کر آدھر روانہ ہوا۔ اور فتح مند شہزادہ ہمایوں اور بیگمات کو پانی پت ہی میں چھوڑا۔

لڑائی سے گیارہویں روز عید آئی۔ ہمایوں کے لشکر کا بچہ بچہ اس عید میں باغ باغ تھا۔ کیونکہ یہ دوہری عید تھی ایک تو واقعی عید دوسرے فتح کی عید نماز عید کے بعد اہل دربار اور امرائے شہزادہ کی خدمت میں مبارکباد میں گرفتار کرنے میں مشغول تھے۔ ادھر جشن منایا جا رہا تھا، اور آدھر

ابراہیم کے اہل و عیال قید میں پڑے اپنے گذشتہ عروج کو یاد کر کے داد بلا کر رہے تھے۔ خیمہ شاہی سے خوشیوں کے نعرے بلند تھے اور جیلخانہ سے حسرت و اندوہ کی صدائیں اُٹھ رہی تھیں

اتفاق سے لشکر ہمایونی کا ایک افسر جیل خانہ کے پاس سے گذرا تو اندر سے ایک عورت نے اس کو بُلا کر پوچھا کہ "یہ آج کیا ہو رہا ہے۔ کیا عید کا جشن ہے؟"

شخص۔ "ہاں عید کا جشن بھی ہے اور فتح کا بھی"۔

عورت۔ "کیا ہو رہا ہے؟"

شخص۔ "نذریں دی جا رہی ہیں"۔

عورت۔ "بابر کو؟"

شخص۔ "نہیں شہزادہ ہمایوں کو"۔

عورت۔ "شہزادہ کی خدمت میں عرض کرو کہ ابراہیم کے خاندان کی ایک عورت خدمت میں نذر پیش کرنا چاہتی ہے"۔

آدمی نے جا کر پیام پہنچا دیا۔ اور تھوڑی دیر بعد آکر کہا "چل کر حاضر ہونے کی اجازت مل گئی"۔

لشکر کا بڑا حصہ بابر کے ساتھ تھا۔ سردار کہیں باقی نہ تھے موجود تھے۔ ہمایوں تخت شاہی پر تھا۔ اور سب اِدھر اُدھر کہ ایک عورت میلی کچیلی چادر میں لپٹی ہوئی سامنے آئی۔ اس نے اپنا داہنا ہاتھ چادر سے باہر نکالا اور کہا۔

"آج عید کا روز ہے۔ ساری رعیت اس خوشی میں نذریں پیش کر رہی ہے۔ اجازت دے کہ میں بھی نذر دوں"۔

ہمایوں نے یہ سُن کر عورت کی طرف نظر اُٹھائی۔ تو اُس نے ایک الماس کی ڈبیہ نکالی اور کہا "یہ کوہ نور ہیرا ہے۔ خدا تجھ کو نصیب کرے میں بدنصیب ابراہیم کی ملکہ ہوں۔"

حاضرین اور خود شہزادہ ہمایوں یہ سُن کر سنّاٹے میں رہ گئے

میری عزیز بہنو! عید کے روز سب سے پہلے اس خدائے واحد کا شکر ادا کرو جس نے تمہارا سہاگ قائم رکھا اور التجا کرو کہ اپنے حبیب کے طفیل سے یہ سہاگ ہمیشہ ہمیشہ قائم رکھے۔ اور اس کی عمر میں برکت دے جس کے دم سے یہ خوشیاں میسّر آرہی ہیں۔

عصمت سنہ ۲۰ ھ

بچوں والے کی عید

عید کے روز جب ہر چھوٹا بڑا بڈھا جوان ہشاش بشاش خوش و خرم تھا اور لوگ نئے اور اجلے کپڑوں میں ہنستے بولتے پھر رہے تھے آنکھوں نے اس والیٔ ملک کا چہرہ دیکھا جس کی سواری میں سینکڑوں غلام موجود تھے۔ اس امیر کی صورت دیکھی جس نے عید کے اہتمام میں ہزاروں روپیہ صرف کیا تھا۔ اس عبادت گذار کی مسرت بھی دیکھی۔ جس نے تیسوں روزے رکھے تھے۔ اس بیگم کو بھی دیکھا، جو بچوں کی بہار پر قربان ہو رہی تھی۔ اور اس کے بعد وہ شخص بھی نظر آیا جس نے عید کا کوئی خاص اہتمام نہ کیا تھا۔ اس کا لباس معمولی تھا، مگر اس کے چہرے سے متانت اور سنجیدگی ٹپک رہی تھی۔ وہ خاموش تھا، لیکن مسرت کی نخوت سے اس کی ہستی لبریز تھی۔ اور وہ اس نخوت میں حق بجانب تھا۔

اُس نے عید کا اہتمام کیا تھا۔ مگر اپنے واسطے نہیں۔ اس نے نئے کپڑے سلوائے تھے، مگر اپنے بچوں کے لئے نہیں اس بچہ کے لئے جس کا اہتمام کرنے والا کوئی نہ تھا۔
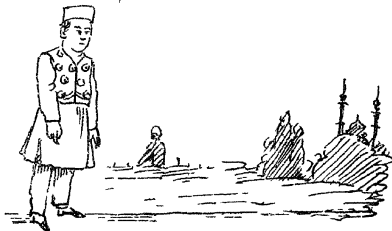
خریدا کرلیں جتنی دعائیں ناتوانوں کی

آج سے پچاس سال قبل جب دنیائے اسلام مربی کی کوشش تنظیم کی ضرورت
اور اصلاح کی دھن سے قطعاً محروم تھی تو رمضان المبارک کی مقدس راتوں میں سحری
کے بعد جب مساجد نماز فجر کی دعوت دے چکیں اور آسمان کروٹ بدل چکا
تھا۔ چاند کی روشنی پھیکی اور تارے مدہم پڑ جاتے تھے تو ٹھیک اس وقت جب
صبا یا نسیم کا پہلا بوسہ لیتی تھی شاہجہاں آباد کے محلوں میں یہ صدا گونجتی تھی

بچوں کی خیر۔ بچوں والی کی خیر۔ گھر کے مالک کی خیر

موت ان مکینوں کو ابدی نیند سلا چکی، مگر وہ مکان جنہوں نے یہ منظر دیکھا
اور صدا سُنی ابھی موجود ہیں۔ مقرر تھا یا نہ تھا۔ مگر آواز میں اس بلا کا کڑاکا تھا کہ پہلی ہی
صدا محلہ بھر کو چونکا دیتی تھی۔ نور ظہور کا وقت رمضان کے پاک دن۔ بچوں کا نام سنتے
ہی، بچوں والیاں، بچوں والی کا نام سنتے ہی گھر والے اور مالکوں کا نام سُن کر
گھر والیاں اس لیے تڑپ اُٹھتی تھیں کہ اس وقت دنیا کھو رہی تھی۔ اور اس
کا لطف اگر کوئی بچا کھچا ٹوٹا پھوٹا موجود ہے۔ تو اس کا دل جان سکتا ہے۔ یہ وہ

دنیا بھی جس کا ہر ذرہ روحانیت کی ہیجان انگیزیوں سے معطر تھا۔ مرد اور عورتیں ہی نہیں بچے بھی بازار حیات کی جنس گراں قدر یعنی دستگیری نا توانان پر دلدادہ وار کرتے تھے۔ اس مقدس کی نعمتیں اور حدمت قدسی کی تکمیل میں اُن کی گردنیں خم تھیں۔ ان کا ایمان تھا کہ دسترخوان کی وسعت برکت کا سبب اور ان کا یقین تھا کہ " صدقہ ویار دلا " " فلا تقہر " کے معنی میں تفسیر و تاویل کے سلامتی نہ تھے۔ اور نہ سائل کے سوال پر جائز و ناجائز کے جواب۔ ان کا دل بہتر منفی اور اُن کی آنکھیں بہترین سازندہ تھے وہ اسباب کہ محلہ کا ہر دل بھورے میاں کی صدا کا استقبال کرنا۔ اور بھورے میاں کیا، ناممکن تھا کہ کوئی سائل کسی دروازے سے خالی جائے یہ وقت کی برکت اور دینے والوں کی نیت تھی کہ ان دنوں میں فقیروں کا یہ زور بھی نہ تھا۔ اور ایسے ہٹے کٹے موٹے تازے، جو آج مسلمانوں کی احتیاط نے پیدا کر دئے ہیں۔ اس وقت موجود نہ تھے۔

دل کے ٹکڑے اڑ جاتے ہیں، جب خیال کرتا ہوں کہ سری کے نعروں میں قوم کیا سے کیا ہو گئی۔ اور ایک پچاس سال کے عرصہ میں آسمان اور زمین سب بدل گئے۔ آج گولے اور ڈھولنے افطار کا مژدہ روزہ داروں کو سناتے ہیں، اور یہ ابتدا بنا رہی ہے کہ جب مسلمان ترقی کی منزل اعلیٰ پر پہنچیں گے، تو اُن کا روزہ مرتی اور گھنٹوں کی آواز پر کھلے گا۔ جب یہ مبارک وقت آئے، تو مسلمان خدا کی سال لکھیں کہ لائف آف محمدؐ کا مصنف ولیم میور جیسا عیسائی تو یہ کہے کہ

جب صبح کی اذان ہوا میں گونجتی ہے تو خواہ مخواہ دل پر چوٹ لگتی ہے اور بہار بڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ مسلمانوں نے یہ وہ طریقہ اختیار کیا کہ جس کے سامنے بہار ناقوس وغیرہ سب ہیچ ہیں۔

اور مسلمان روزہ جیسی افضل عبادت کو ادا ان پر مشروط نہ کریں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ دور حاضرہ کا ہر روز مرے اس خبط کا مضحکہ اڑائے گا میں بھی

سمجھتا ہوں کہ اس لئے کہ مسلمان ترقی کر رہے ہیں۔ وہ حق رکھتے ہیں کہ ان باتوں کو لغو سمجھیں اور لحر خیال کریں۔ مگر میں بھی اپنے دل سے مجبور اور طبیعت سے لاچار ہوں۔ اس واسطے اتنا کہہ کر

حالی کی اور شن لو صدائے جگر خراش دلکش صدا نہ آئیگی اب اس صدا کے بعد

آج سے نصف صدی پیشتر کے رمضان کا ایک منظر دکھاؤں اور بتاؤں کہ سرل کیا تھا اور ترقی کیا ہے۔

لیجئے یہی رمضان شریف کے دن ہیں اور کیسے دن کہ صبح ہوتے ہی ادھر آفتاب آگ برساتا ہوا نکلا، اُدھر زمین سے شعلے بلند ہوئے۔ اب آپ اس سرے سے اس سرے تک مسلمان گھروں پر نظر ڈال جائیے آپ کو ایک مسلمان گھر کسی محلہ میں ایسا نہ ملے گا، جہاں قبل از ظہر دھواں اٹھتا ہوا دکھائی دے۔ یہ بے بچوں کے گھر نہیں ہیں۔ ان میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں موجود ہیں۔ مگر ماؤں نے سحری کے ساتھ ہی ان بچوں کا انتظام کر لیا۔ اور وقت پر کھانا کھلا دیا۔ لیکن کسی طرح یہ تقین دلا کر کہ آسمان کے نیچے نہ کھانا ورنہ لعنت بھیجیں گے۔ بچے کھا پی باہر نکلے تو اس طرح کہ کُلّی کی اور منھ دھویا اور روزہ داروں کی صورت بنالی، یہ سات سات آٹھ آٹھ برس کے بچے ہیں۔ مگر ابھی سے رمضان کا احترام ان کے دلوں میں اچھی طرح سے بٹھا دیا گیا ہے۔ سیانی لڑکیوں نے دس گیارہ بجے دالیں بھگو دیں۔ دوپہر کے بعد کا ماریدہ عصا شروع کیا۔ کڑاہیاں چڑھ گئیں ایک دال تار رہی ہے، دوسری پھلکیاں تل رہی ہے، تیسری دہی بڑے تیار کر رہی ہے۔ آج احتیاط کے دنوں میں تو سننے میں آتا ہے کہ العم بلعم کھا گئے۔ بحمد ہوا ہیضہ ہوا۔ مگر اس وقت کچھ نہ تھا۔ اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مصالحہ کا ورن ایسا ہوتا تھا کہ پتھر بھی ہضم کر دے۔

تکلیف تو ہوگی مگر مسلمانوں کی خاموش تسلیم ملاحظہ فرمائیے۔ اور اس کے بعد خواہ

روئے یا ہنسے۔

افطاری تیار ہوئی کھانا پک گیا۔ تو گھر سے علی قدر حیثیت مساجد میں پہنچ گیا۔ افطار سے آدھ گھنٹہ قبل محلہ کی رانڈ عورتیں اور یتیم بچے مسجدوں میں آ جمع ہوئے ایک طرف برقع والیوں کی قطار ہے۔ دوسری طرف بچوں کی۔ مسجد کے متولی ہر عورت اور ہر بچہ سے اچھی طرح باخبر ہیں۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ پردہ نشین عورتیں در در ہاتھ پھیلانے والی نہیں۔ افطاری اور کھانا سب کو تقسیم کر دیا۔ صرف بچوں کے واسطے ایک حصہ روک لی۔ ادھر افطار کا وقت ہوا اُدھر وہ بھی حوالہ کی بچے اذاں کی آواز سے بھاگے اور یہ کہتے ہوئے دوڑے:۔

روزے والیوں روزہ کھولو۔

محلہ بھر میں افطاری بھی پہنچ گئی اور کھانا بھی۔ دینے والے کا احسان نہ لینے والے کو عار۔ آج افطار کے واسطے گولہ چھٹتا ہے۔ اور وہ نظام فنا ہو گیا لیکن جس وقت سری آنکھیں افطار کے وقت کسی برقع والی کو سبیل کے پانی سے روزہ کھولتے دیکھی ہوں گی تو مجھ پر کیا گذرتی ہوگی۔ خدا بہتر جانتا ہے مسلمانوں کا دور ترقی ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم میں کیا کہہ رہا تھا اور کہنے لگا۔

ہاں صاحب وہی پچاس برس پہلے کی دنیا ہے جس میں پرانے زمانہ کی بڑھیاں چاروں طرف آباد ہیں کہ دفعتہً تجسسِ مغرب کے نازک قدم پہنچے اور اس کی کافرادائوں نے اپنا تسلط جمانا شروع کیا جس محلہ کی تعظیم آج بھی خون کے آنسو رلاتی ہے اس میں ایک صاحب مولانا نصیر تھے۔ جوانی ڈھل چکی تھی مگر محبوبہ دلنواز کی صورت دیکھتے ہی لٹو ہو گئے اور ایک دو سال ہی میں وہ کایا پلٹی کہ وہ گھر رہا نہ گھر والے۔ وہ جس کے باپ دادا نے مسجد کے پھٹے ہوئے ٹاٹ اور ٹوٹے ہوئے بوریوں پر درس لیا

اور دوپا سنے کی دال کے قلیئے اور سدور کی روٹیوں سے پیٹ بھرا جمنا کی ریت اور ریتی سے کپڑے دھوئیے اور جمعہ پڑھا اب خدا کی سان ایسا پلٹا کہ آرام کرسی کے بغیر میٹھا حرام۔ پیدل ہو تو کھانا اور کار نہ ہو تو نکلنا نا ممکن۔ یہ بھائی نصیر کا دور اول تھا۔ مگر ابھی تھوڑی بہت بزرگوں کی آن باقی تھی شمس العلماء کی نظریں ابھی کلیجے کے پار ہوئیں کہ سینہ اور پھیپڑا اٹلی اور اوجھڑی چھلنی کر دی۔ بڈھے ملازم مرا کی جگہ بولے نے لی گمشتہ رکھوالوں کے بدلے کوچمن آیا اور داروغہ کا نام منیجر ٹھہرا۔

نصیر کے اب دادا کہنے کو بولتے تھے۔ مگر پنجابی کٹڑہ کی مسجد جس کا اب وجود بھی نہیں زندہ ہوتی تو شہادت دیتی کہ متواتر چالیس اور پچاس سال ایسے گذرے ہیں کہ کوئی شام ایسی نہ آئی کہ سینکڑوں بندگانِ خدا نے اس میں بیٹھ کر اپنا پیٹ نہ بھرا ہو۔ یہاں ہی مرنے والوں کا طفیل تھا کہ دونوں روزانہ کا لنگر تقسیم ہوتا اور بھوکے آتے والے پیٹ بھر کر سوتے

(۱)

عید الفطر کی صبح کو بچے دو گھڑی رات رہے اٹھ بیٹھتے ہیں۔ لڑکے اپنے اجلے کپڑے دیکھ کر اور اپنی جوتیاں دکھا دکھا کر خوش ہو رہے ہیں۔ لڑکیاں اپنے لال لال ہاتھ دیکھتی اور دکھاتی پھر رہی ہیں۔ گھر والیوں نے پانی گرم کر کے چولھوں پر سوئیاں چڑھاویں اور تیاریوں میں مصروف ہوئیں۔ مرد نماز فجر سے فارغ ہو گھر آئے غسل کیا۔ ماؤں نے بچوں کو نہلایا۔ مردوں کے کپڑے ٹھیک ٹھاک کر پہلے ہی الگنی پر ڈال دیئے۔ انھوں نے کپڑے بدلے۔ بچوں کو ماؤں نے پہنائے۔ دسترخوان بچھا۔ اس دسترخوان پر کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جو پڑوس کے یتیموں اور رانڈوں تک نہ پہنچی ہو۔ اور وہ اس طرح کہ گھر والی نے پہلا کفگیر پتیلی میں بسم اللہ کہہ کر اللہ کے واسطے ڈالا ہے۔ اور جب وہاں پہنچ چکی ہے تو شوہر اور بچوں کو دیا ہے۔ مرد اور بچے کھا پی عیدگاہ گئے۔ تو آپ غسل کیا کپڑے بدلے کھانا کھایا۔ اور حصے بخرے شروع کئے۔ دل بھر غریب معصوم اور یتیم اور رانڈوں کا ماتھا

لگا ہوا ہے۔ یہ وہ محلہ ہے جس میں کوئی بیوہ بھوکی اور کوئی یتیم ننگا نظر نہ آئے گا۔
بچوں والیوں نے اپنے بچوں کی سلامتی کے واسطے ان کے ساتھ یتیموں کے کپڑے سئے
ہیں اور شوہروں کی درازیٔ عمر کی دعائیں رانڈوں کے رحمی دلوں سے لی ہیں۔ مرد عیدگاہ
سے لدے پھندے لوٹے گھستے ہی سلام و علیک کی۔ لڑکے عاجری کے کندھے
ماؤں کے سامنے جھک جھکا کر گلے سے لگ گئے۔ اب مٹھائی اور کچوریوں کے حصے بٹنے شروع ہوئے
غرض رشتہ داروں میں بچہ بچہ کا الگ رکھا کہ کچھ خیال آیا اور بیوی شوہر کی طرف دیکھ کر کہنے لگی
'اے ہے خبر نہیں۔ کیسا جی ہے کہ خالہ وحیدن نہیں آئیں۔ بڑھاپا اور تنہوں روزے
ابھی تم ذرا ان کا حصہ بھی دے آؤ اور خیر صلاح بھی پوچھ لو"

(۲)

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد وہ پہلا مسلمان جس نے وادیٔ سرل کو ٹھکرا کر میدان ترقی
کی طرف قدم رکھا نصیر تھا۔ یہ کہنا مشکل بھی ہے اور شاید نامناسب بھی کہ ترقی کے اس ساعی
انسان نے قدم آگے رکھے یا نہ رکھے اور رکھے تو کتنے رکھے۔ مگر ہاں وہ آثار جو اس کے گھر سے
نمایاں ہوئے ان میں ایک یہ تھا کہ ۲۹۔ رمضان المبارک کی شام کو جب وہ ساعت آئی کہ آسمان
سارے جہان آباد مسلمانوں کو ہلال عید کا مژدہ سنائے تو کسی گھر کی چھت ایسی نہ تھی جہاں کچھ
مسلمان آنکھیں بلند کئے نہ ہوں الا اس بد تہذیبی سے نصیر کا گھر محروم تھا۔ چاند نمودار
ہوا اور سلام و علیک کی صداؤں سے محلہ گونج اٹھا افسوس یہ ہے کہ باوجود اس کوشش
کے یہ نہ بھی نہ چل سکا کہ میاں نصیر عیدگاہ گئے یا نہ گئے۔ سویاں پکیں یا نہ پکیں، مگر
گھر کی درستگی یا ظاہری ٹیپ ٹاپ بہت کچھ تھی۔ نوکروں کی وردیاں میز کرسیوں کے رنگ
روغن۔ پھولوں کے گلدستے سگار سگریٹ ہر چیز ضرور استقبال عید کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ بھی
بہت سی چیزیں تھیں جو روز عید کا پتہ دے رہی تھیں۔ آدمیوں کی آمد و رفت جاری تھی اور ان
کی خاطر و مدارات بھی اچھی طرح ہوتی تھی۔ مگر یہ سب آنے جانے والے اسی رنگ اور ڈھنگ کے

لوگ تھے اور سب کھانے پینے میں خوش حال تھے۔ چار اسی آر چار میں بج گئے۔ اب
صاحب ڈپٹی کمشنر کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا۔ نصیر اور اس کے احباب نے سڑک تک
استقبال کیا اور ہاتھوں ہاتھ لائے۔ میز پر انواع و اقسام کے میووں سے پلیٹیں بھری
تھیں۔ چائے پانی کے بعد صاحب رخصت ہونے لگے۔ نصیر نے ایک بیش قیمت
سنہری ہار ان کے گلے میں ڈالا۔ اور چپراسیوں کو نقد انعام اور جوڑے دے کر رخصت کیا۔

اس کامیابی پر ہشاش بشاش نصیر زنانہ میں جا کر بیٹھا۔ خوش تھا مطمئن
تھا مگن تھا کہ خالہ وحیدہ نصیر کے باپ کی مریدی میں داخل ہوئیں مگر بگڑ گئی تھیں اس
لئے وہ نمونہ تھیں انقلاب کا۔ درس تھیں عبرت کا اور مثال تھیں ٹھہر رہی کی جس نے
بیسیوں کا پیٹ بھرا وہ آج دو دو دانوں کو محتاج تھی اور جس کے دسترخوان پر غیروں
نے کھایا، وہ در در کی ٹھوکریں کھا رہی تھی۔ رہ اس حالی دنیا میں کئی بچوں کی
ماں بنی۔ مگر ہاں رہ نہ سکی اور برابر کے لڑکے لڑکیاں آنکھوں کے سامنے اٹھتے اور
اب زندگی کی آخری گھڑیاں بیٹے اور بیٹی کی دو نشانیوں کی خدمت میں بسر کر رہی تھیں

دل ضبط و صبر گئے روز عید کا بڑا حصہ دونوں بچوں پوتے اور نواسی
کو کلیجے سے لگائے بسر کر دیا۔ ہر چند چاہا کہ باہر نکلے۔ مگر غیرت نے اجازت نہ دی
کہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے۔ تینوں دنوں کا گذارا خیرات پر تھا اور صبح کے واسطے
مسجد اور محلہ سے کھانا آ چکا تھا۔ لیکن شام کے وقت جب نو برس کے پوتے نے
دادی کے گلے میں ہاتھ ڈال کر روتے ہوئے کہا اماں ہم کو تو زردہ مار رہی ہے۔ تم نے
کہا تھا عید کو سلمٹ منگا دوں گی۔ تو وحیدہ بے چین ہو گئی۔ بچے کو بیٹھا لیا۔ اور اٹھا کہ
کروٹ کا ہاتھ پکڑا۔ باہر نکلی تو خیال آیا نصیر سے کہوں گی وہ سلمٹ منگوا دے گا۔ یہ
سوچ کر آگے بڑھی۔ اور گھر پہنچی اندر داخل ہوئی تو نصیر سامنے تھا۔ وحیدہ کی صورت
دیکھتے ہی نصیر کی تیوری پر بل آ گیا۔ اور اس سے پہلے کہ خالہ کچھ کہیں کہنے لگا۔

"تم لوگوں نے بہت پریشان کر رکھا ہے بھیک مانگنے پر کمر باندھی"

ایک بجلی تھی جو عزت مند بڑھیا پر گری وہ ختم ہوگئی۔ بس نہ چلتا تھا کہ زمین شق ہو اور سما جائے۔ حاجت مند آنکھیں اور آنکھیں اور ٹھٹک اُس وقت جب وحیداً کی آنکھ سے آنسو کا پہلا قطرہ گرا، اُس کے کانوں نے نصیر کے قہقہہ کی آواز سُنی۔ بچہ کا ہاتھ ہاتھ میں لیا۔ اُلٹے پاؤں واپس ہوئی دل اُمڈ رہا تھا اور آنسو کسی طرح نہ رُکتے تھے۔ ہر چند چاہا کہ ضبط کرے۔ مگر نہ کرسکی۔ سڑک کے ایک کونہ میں بیٹھ کر بچہ کو کلیجے سے لگائے رو رہی تھی کہ برابر سے آواز آئی "خالہ حسن صلاح" یہ اس شوہر کی آواز تھی جس کو بیوی نے حصہ لے کر بھیجا تھا۔

آنسو پونچھے اور کہنے لگی۔ "ہاں میاں اللہ کا شکر ہے"

نیک بی بی کا مسلمان شوہر مضطرب ہوگیا۔ اور کہا "چلئے۔ تھوڑی دیر کے واسطے میرے ہاں چلئے"۔ انکار کیا مگر جب زیادہ اصرار ہوا تو ساتھ چلی۔ گھر میں گھسی تو گھر والی کی صورت دیکھتے ہی دل بھر آیا۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور ساری رام کہانی سنائی سننے والی بھی ساتھ روئی اور چپکے سے میاں کو بھیج کر سلیٹ منگوائی۔

جس وقت بچے کے ہاتھ میں سلیٹ آئی اور اُس نے خوش ہو کر سلام کیا اس کی قیمت پوچھنے والی ہی سے پوچھئے۔ مگر اتنا ہم نے بھی دیکھا کہ بڑھیا وحیداً کی حاسد آنکھیں جس طرح نصیر کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ اسی طرح اس کے چہرہ پر بھی پڑیں۔ اور زبان سے یہ لفظ نکلے۔

"الٰہی بچہ خوش رہے"

سنہ ۲۵ء

ترکن ماما

رمضان کا مبارک مہینہ ختم ہوچکا۔ وہ راتیں جن میں آسمانی برکتیں زمین کے
مسلمانوں پر نازل ہوتی تھیں ایک ایک کرکے ختم ہوگئیں جن مسجدوں میں آدھی رات تک چہل
پہل رہتی تھی وہ کل سے سونی پڑی ہیں۔ مگر بستی کے رہنے والے آج چاروں طرف اچھل کود رہے
ہیں۔ ان کے زرق برق لباس ان کے غیر معمولی اخراجات ماں کا ہاتھ بٹانا اور گلے ملنا مسلمانوں
کی عید کا پتہ دے رہا ہے۔ عید کا چاند جس کے آسمان پر نمودار ہونے کی ایک دنیا منتظر تھی
نظر آتے ہی ایک پیغام لایا جس نے تمام روئے زمین کے مسلمان گھروں میں خوشی کا ڈنکا بجا دیا۔
پردیسیوں نے اس خیال سے کہ عید بیوی بچوں میں منائیں گھر کی شدھ باندھی، مردوں نے
صبح کے واسطے سازوسامان لانا شروع کیا عورتیں گھر کی آرائش میں مصروف ہوئیں لڑکیوں
نے مہندی لگائی۔ بچوں نے صبح کے انتظار میں گھڑیاں گنیں۔ حلوائیوں نے رات بھر کڑھاؤ
چڑھائے اور خدا خدا کر کے شبِ انتظار ختم ہوئی۔ مؤذن نے اللہ اکبر کی صدا دیکر خوشیوں
بھرے دن کے آنے کی اطلاع پہنچائی

نمازی مسجدوں میں پہنچے بچے آنکھیں ملتے اٹھ بیٹھے اور آ آ کا گھر اور گھر والے

بن سنور کر چوتھی کی دلہن بن گئے

اس وقت ہمارے سامنے ہندوستان کے پایۂ تخت شاہجہان آباد کے اس مشہور خاندان کی تصویر ہے جس نے عید منانے میں ہزاروں روپیہ صرف کئے ہیں۔ دنوں پہلے محلسرا کی سفیدی ہوئی۔ آرائش کا سامان لگایا گیا۔ گملے سجائے اور پودے لگائے گئے۔ ریشمی اور کارچوبی جوڑے تیار ہوئے۔ پرانے زیور اُجلے ہوئے اور نئے ڈورے پڑے اور عید کی صبح نے سارے گھر پر خوشی کا مینھ برسا دیا

اس گھر کی مالک بیگم نے جس کے آگے میں مغلانیاں اور ایک ترکن بھی حاضر ہے رات بھر بیٹھ کر اپنے ہاتھ سے بچہ کا کرتہ تیار کیا ہے۔ آدھی رات کے سنسان وقت میں جب عید کا جادو تمام دنیا پر چل گیا تھا ایک نازک مزاج بیگم کا بیٹھ کر کام کرنا ایک ایسا راز تھا جس کو قدرت ہی حل کر سکتی تھی۔ کرتہ کا ہر حصہ اور سوئی کا ہر ٹانکہ ماتا کا معمہ سلجھا رہا تھا۔ آسمان کی گود میں دن بھر کے چھوٹے موٹے تارے ٹوٹ رہے تھے اور ترکن جو آج سے چند مہینے پہلے قسطنطنیہ سے بلائی گئی تھی خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھ رہی تھی

ہوا ٹھنڈی ہوئی نسیم نے چلنا شروع کیا۔ پھول کھلنے لگے اور بلبل خوش الحان پائیں باغ میں چہک چہک کر عید کا تژدہ لائی۔ بیگم نے سوئی اٹھا چھوڑا بچوں کو نہلا دھلا کر کپڑے پہنائے سوئیاں پکوائیں۔ دودھ منگوایا عیدیاں دیں۔ اور تھوڑا کھانا کھلا کر میاں اور بچوں کو عیدگاہ روانہ کیا۔ گھر میں جھاڑو بہارو دلوائی مسہریاں قرینے سے رکھوائیں اور دم بھر میں گھر جنت بن گیا

برس کا برس دن تھا اور بیگم اپنے فرائض سے فراغت پا کر منتظر بیٹھی تھی۔ اس وقت کی جب شوہر کی صورت دل و دماغ کو تر و تازہ کر دے۔ اور دونوں بچے آکر گلے سے لپٹیں اور یہ دنیا بھر کی کلفتوں کو بھلا دیں اس وقت کا زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ مٹھائی اور کھجوروں کی ٹوکریاں نظر آنے لگیں۔ شوہر ہاتھ ملا کر آرام کرسی پر بیٹھا اور بچوں نے جھک جھک کر باہیں ماں کے گلے میں ڈال دیں مراسنوں نے گانا شروع کیا ماماؤں نے مبارکبادیں دیں اور چاروں طرف سے مبارک سلامت کی دھوم مچ گئی

اس وقت خدا کی رحمت اس گھر پر نازل ہو رہی تھی، یہ چھوٹا سا گھر جنت کا ایک نمونہ تھا جہاں ہر رنگ پُر لطف اور ہر دل شاد و بشاش تھا بیگم کی محبت بھری نظریں جب اپنے بچوں پر پڑتی تھیں اس کا دل باغ باغ ہوتا تھا۔ اب بیگم نے اپنے شوہر اور بچوں کی سلامتی کے واسطے خیرات شروع کی اور اس کے بعد عزیز و اقارب کو عید کے حصے اور عیدیاں بھیجیں۔ مگر ابھی گھر میں ایک دوسرا منظر بھی تھا اور وہ اس غریب مصیبت ماری نرگس کا دل تھا جس پر مختلف قسم کی کیفیتیں طاری تھیں اور گذرا ہوا زمانہ کلیجہ پر نشتر لگا رہا تھا دست حسرت مل رہا تھا۔ اور آفتاب نے خوشیوں بھرے دن کا بڑا حصہ ختم کر کے صرف رات چھوڑ دی تھی کہ بیگم کی نظر اسی ماما پر پڑی۔ لیمپ کی روشنی اس کے چہرے پر تھی اور جس کام پر تھا اسے بھول اس حسرت یاس کا نمونہ دے رہا تھا، جو ہر تنگ کوٹھڑی میں بس رہی تھی آنسو رخسار پر بہہ رہے تھے اور ٹھنڈے سانس چھوٹے موٹے عزیزوں کی یاد تازہ کر رہے تھے۔ ہمدرد سائی بیگم جس کا آج ہر لمحہ خوشی میں بسر ہوا اور جو دنیا کے انقلاب سے بالکل ناواقف تھی۔ نرگس کو روتا دیکھ بہت متحیر ہوئی۔ اور آخر دریافت کیا کہ مصیبت ماری نرگس نے اپنی داستان اس طرح بیان کی۔

بانوئے محترم! آپ کا سہاگ ہمیشہ قائم رہے اور خوشی کی گھڑیاں ہمیشہ نصیب ہوں خدا آپ کے بچوں کی عمر دراز کرے۔ آپ کا کلیجہ ٹھنڈا اور دل خوش و خرم رہے۔ اس گھر میں سلطنت سے بیس کوس دور مقام سرحد کی رہنے والی ہوں۔ مجھ پر جو آگہانی مصیبت آ کر پڑی، وہ آپ کا دل ہلا دے گی۔ ہماری جس وقت انگریزی فوج فتح کر چکی تو سب سے قریب ہمارا گاؤں تھا۔ درانہ گھس آئے۔ اور قتل عام شروع کر دیا۔ آج پورے دو مہینے ہوئے میرا شوہر اور تین بچے میری آنکھوں کے سامنے بکریوں کی طرح ذبح کر دئے گئے۔ بیگم! آباد گھر اجاڑ اور بھری گود خالی ہو گئی جس گھر میں دو دو ماما ئیں موجود تھیں۔ آج اس کی مالک تمہاری ماما ہے اور جس کلیجہ سے میں لال کر چمٹتے تھے آج سنسان پڑا ہوا ہے۔ وہ کلیجہ کے ٹکڑے گھر کی روشنی آنکھوں کے تارے جن کی تصویر آنکھ کے سامنے پھر رہی ہے بدنصیب ماں سے ہمیشہ کو چھوٹ گئے اے بیگم دکھیاری ماں کو

یہ بھی معلوم نہیں کہ ان چاند سے مکھڑوں کو کہاں قبر نصیب ہوئی اور وہ ہڈیاں جن کو دیکھ دیکھ
کر جلوؤں خون بڑھتا تھا کہاں دبائی گئیں۔ بیگم ایک لمحہ بھی ان معصوموں کی یاد سے خالی نہیں جاتا

آج برس کا برس دن ہے دنیا بھر کے مسلمان خوشیاں منا رہے ہیں۔ خدا سب کی مامتا ٹھنڈی
رکھے بیگم میں نے تمہارا نمک کھایا اللہ تم کو دن عید رات شب برات کرنی نصیب کرے۔
دل میں وہم نہ لائیے خدا گواہ ہے میں آپ کے بھرے پورے گھر میں بچوں کو اس وقت یاد کرکے
نہیں روتی، ان معصوموں کا بس اتنا حق تھا کہ جب سب کے بچے پہن اوڑھ کر عیدگاہ جا رہے
تھے میں نے آنسوؤں کے دو قطرے اپنے لالوں کو عیدی دی۔ بیگم جو مال خدا کی راہ میں لٹا چکی
اب اس کا ملال کیا۔ بڑا نازک وقت تھا وہ جب دشمن خدا کے گھروں میں گھس کر مسلمان بہوؤں
کی پردہ دری کر رہے تھے۔ جہاں تکبیروں کی آوازیں اور اذاں کی صدائیں گونجتی تھیں وہاں کافروں
کے ڈیرے لگے۔ بی بی اس وقت کا خیال کیجئے جب پردوں میں بیٹھنے والیاں اپنی عصمت بچانے
کے لئے چاروں طرف بھاگی پھرتی تھیں اور سینے سے لگے بچے جو ہمک ہمک کر کلیجوں سے چمٹتے
تھے آنکھوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر مر رہے تھے بیگم وہ کلمے کے شریک میں بھائی جو اسلام کی
ایک زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے ایسی مصیبت میں گھرے کہ دشمن بھی وہ وقت نہ دیکھے۔ ہم
پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کن آنکھوں سے اور کس دل سے نہ دیکھتے کہ مسجدیں جل رہی
ہیں اور ظالم یہ غضب ڈھا رہے ہیں ہمارا فرض تھا اور ہم نے پورا کیا کہ اپنے لال اسلام کی نذر کئے۔
اور سب کے سرتاج بھینٹ چڑھائے بیگم ہمارے محلہ کی ساڑھے چار سو کے قریب عورتیں خانماں برباد
ہوکر دو دو دانوں کو محتاج ہوگئیں۔ میں اپنے کو نہیں روتی ان بہنوں پر رو رہی ہوں جن کے کلیجوں
پر چھریاں چل گئیں۔ جو رانڈیں ہوگئیں جن کا سہاگ اجڑ گیا جن کی کوکھ مانگ برباد ہوگئی اور جو
آج بے یار و مددگار ان جنگلوں میں پڑی ہوئی ہیں جہاں آسمان کے سوا کوئی سایہ اور زمین کے
سوا کوئی گھر نہیں، درختوں کی چھال ان کا کھانا ہے اور گھاس ان کا بچھونا۔ متواتر فاقوں نے
ان کی صورتیں بگاڑ دیں اور اب وہ مٹھی مٹھی دعا کر رہی ہیں

۱۳ ع

دوگانۂ عید

مجھے یہ کہنے میں مطلق باک نہیں کہ افضال نے مقدور بھر میری خاطرداری
میں کبھی کسر نہیں کی۔ وہ جس طرح اپنے والدین کا فرمانبردار لڑکا تھا اسی طرح مجھ سے محبت
کرنے والا شوہر، مگر ساس نندوں کی اذیت میرے واسطے جگر خراش تھی۔ میں نے کئی دفعہ
افضال سے کہا کہ وہ الگ ہو جائے۔ مگر اس نے میری اس خواہش کو بیدردی سے ٹھکرا دیا
ساس نندوں کی تکلیفیں چونکہ روز بروز بڑھ رہی تھیں، مجبوراً میں میکے چلی آئی اور مصمم قصد
کر لیا کہ خواہ افضال بگڑے یا خفا ہو اب اس گھر میں نہ جاؤں گی۔ چند روز بعد عید آئی
ایک دن پہلے افضال میرے پاس آیا۔ محبت سے کہا سنا مگر میں جو قصد کر چکی تھی
اٹل تھا۔ صاف جواب دے دیا کہ اس گھر میں ہرگز نہ جاؤں گی۔ افضال اپنی کوشش میں
ناکام ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ چلتے وقت اس نے حسرت سے میرے چہرے پر نظر ڈالی اور کہا کل
دنیا میں عید ہے مگر ہمارے ہاں محرم رہے گا۔ کپڑے بدلوں گا نہ عیدگاہ جاؤں گا۔ میں نے
اس کی بھی پروا نہ کی اور وہ خاموش چلا گیا۔

صبح کو عید تھی۔ ابا جان کے اصرار سے میں نے بھی کپڑے بدل لئے۔ ابا جان نے عیدگاہ

چلتے وقت مجھ سے کہا بیٹی تو کیوں خاموش ہے مجھے کیا افضال کی پرواہ ہے میرے
پاس جو کچھ ہے وہ کس کا ہے مجھے تو بیٹا بھی تو اور بیٹی بھی تو، تو اپنا دل میلا نہ کر
سارا دن گھر میں ہنستے بولتے گذر گیا میرا خیال تھا کہ افضال ضرور آئے گا
مگر وہ نہ آیا۔ سوچا کہ شاید رات کو آئے لیکن یہ خیال بھی غلط نکلا۔ نو بجے ہوں گے
کہ میری استانی صاحبہ تشریف لائیں اور سیدھی میرے کمرے میں آ کر کہنے لگیں

"بیٹی رضیہ ساس کی زندگی ایسی دوبھر ہو گئی کہ برس کے برس دن اپنا گھر اور تیوہار
سب برباد کیا۔ درست ہے کہ تم ماں کی لاڈو اور باپ کی چہیتی ہو لیکن یہ لاڈ پیار نہیں زہر
قاتل ہے۔ اگر افضال کے دل میں یہ گرہ پڑ گئی تو عمر بھر روؤ گی اور کوئی سلجھانے
والا نہ ہوگا۔ ماں اور باپ اپنی اپنی عمر پوری کر کے رخصت ہوں گے۔ پالا
افضال ہی سے پڑے گا مناسب تھا کہ اس کے دل میں وہ گھر کرتیں جس میں
عمر بھر راج کرنا نصیب ہوتا، نہ کہ ایسی گتھی پڑتی جو قیامت تک نہ سلجھے۔
افسوس ہے تمھاری ماں اور باپ دونوں پر کہ اتنی موٹی بات نہ سمجھے۔ اور
کولے سے لگا بیٹھے۔ بیوی گذارہ ماں باپ کے ساتھ نہیں شوہر سے کرنا ہے
دولت کا ڈھیر بھی ہو تو خاک ہے غضب خدا کا عید کا دن اور بدنصیب
افضال کپڑے بدلے نہ عید گاہ جائے۔ ابھی شادی کو آٹھواں مہینہ ہی تو ہے
کہ یہ جوگ آن پڑا۔ تم ساس کی صورت سے بیزار ہو گئی ہو مگر یہ بھی تو کہو کبھی تم
کو بھی ساس بننا ہے یا نہیں۔ کیا تمھارا یہ خیال صحیح ہے کہ افضال ماں باپ
کو چھوڑ چھاڑ کر تمھارا کلمہ پڑھنے لگے۔ یہ تمھاری کامیابی نہیں بدنامی ہے، اور
جو آج ماں کا نہیں، وہ کل تمھارا بھی نہ ہوگا۔ اٹھو کپڑے بدلو۔ میں ڈولی
لاتی ہوں۔"

استانی جی کا کہنا پتھر کی لکیر تھا۔ وہ ڈولی لائیں اور میں اماں سے

کہنے لگی تو اُنھوں نے کہا "تمھاری خوشی جس میں تم راضی اس میں ہم"۔ اُستانی صاحبہ "نہیں جناب یہ خوشی نہیں۔ عداوت ہے۔ جو آپ مٹی کے ساتھ کرتی ہیں بیاہی بیٹی سسرال ہی بھلی"۔

میں اور اُستانی صاحبہ گھر پہنچے۔ تو اُنھوں نے مجھ سے کہا پہلے ساس کے سلام کو جاؤں۔ میں گئی اور سلام کیا تو وہ مجھ کو بیٹی دیتے طعنے دے رہی تھیں۔ میری صورت دیکھتے ہی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ کلیجے سے لگا لیا اور کہنے لگیں "بیٹی ہم سے کیوں ناخوش ہوتی ہو اور چند روز کے مہمان ہیں افضال تمھارا مال ہے تم کو مبارک ہو"۔ اتنا کہہ کر اُن کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اب میں اسی کمرے میں آئی اُستانی صاحبہ نے دروازہ کھولا افضال کچھ جاگتا تھا کچھ سوتا کہ اُنھوں نے کہا "لو میاں تمھاری دلہن آگئی"

افضال سنتے ہی اچھل پڑا۔ میں بھی کمرہ میں داخل ہوئی تو اُس نے مجھ کو دیکھا۔ اُس ہونٹوں پر جو مسکراہٹ آئی وہ عمر سے کم نہ تھی جو مجھے آج تک یاد ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

عصمت سنہ ۲۲

عید اور قرض

جس طرح بعض فضول رسموں پر مسلمان روپیہ کا برباد کرنا ثواب سمجھتے ہیں اسی طرح عید پر بھی بعض ناعاقبت اندیش قرض لے کر تہوار مناتے ہیں۔ لیکن یہ ایسی زبردست غلطی ہے جس کی تلافی بمشکل ہوسکتی ہے۔ رسموں کے معاملہ میں بھی جس طرح زیادہ تر عورتیں ہی ذمہ دار ہیں اسی طرح عید بقر عید کے موقعوں پر بھی۔ اسلام کا منشا یہ ہے کہ عید کے روز غسل کرنا اچھے کپڑے بدلنا خوشبو لگانا نماز کو جانا مسنون ہے۔ لیکن برخلاف اس کے مسلمانوں کی کیفیت یہ ہے کہ سینکڑوں روپیہ عید کے سلسلہ میں اڑا دیتے ہیں۔ ہر شخص کے کپڑے نئے بچوں کے واسطے اعلیٰ سے اعلیٰ لباس اور جوتی ٹوپی موجود ہو۔ اگر روپیہ پاس نہیں تو بلا سے قرض دام لیں مگر عید کے روز کسی سے ہیٹے نہ رہیں۔ یہ ایک موٹی سی بات ہے کہ عید کا دن رات وہی چوبیس گھنٹہ کا ہے۔ آیا اور گیا۔ لیکن اس کا اثر چھوٹ جائے کہ آدمی مدتوں پریشان رہے تو اس عید سے محرم بہتر۔ گھر والی بیویوں کو چاہیئے کہ وہ چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائیں۔ یہ نہ کریں کہ جھونپڑوں کا رہنا اور محلوں کا خواب تاریخ روپیہ مہینہ کی بساط پر سو روپیہ قرض لے کر عید منائیں۔ اگر وہ سمجھدار ہیں تو ان کو اپنے شوہروں کو اس خبط سے روکنا چاہیے نہ کہ خود اس مرض میں مبتلا ہوں، عورتوں کو خاص طور پر توجہ کرنی چاہیئے اور عہد کرنا چاہیئے کہ جو کچھ خدا نے ان کو دیا ہے اسی میں عید منائیں اور خدا کا شکر ادا کریں ایک پیسہ کا قرض نہ ہونے دیں۔

۲۲

رویائے خجستہ

عید الفطر کہنے کو تو میٹھی عید تھی۔ مگر اس لئے کہ سرکار تشریف نہ رکھتے تھے
کچھ پھیکی سی ہوئی۔ بقر عید پر چونکہ سرکار نے اطلاع دے دی تھی کہ وہ تشریف لائیں گے
اس لئے میں نے تنخواہ آتے ہی عید کی تیاریاں شروع کر دیں روپے صرف میں ہی سوچے
مگر جانتی تھی کہ آٹھ روز کے بعد وہ خود ہی آ رہے ہیں روپیہ کی انشاءاللہ کمی نہ ہوگی۔
اس لئے میں نے سب سے پہلے تو سارے مکان کی سفیدی کروائی۔ اس کے
بعد اپنے اور بچوں کے کپڑے سلوائے برتن قلعی کروائے۔ فرش فروش کو ٹھیک
ٹھاک کرایا۔ یہاں تک کہ سر پر عید آئی اور سرکار تشریف لے آئے۔ عید کی صبح کو میں نے
علی الصباح اُٹھ کر گرم پانی اور ناشتہ وغیرہ کا انتظام کیا۔ سرکار اور بچے غسل کر کے
ناشتہ سے فارغ ہوئے تو گاڑی تیار کھڑی تھی۔ عید کی تیاریاں ہوئیں آگے
آگے سرکار پیچھے بچے اور پہلے کے چاروں بچے۔ کیسا خوشی کا وقت تھا کہ میں بیان
نہیں کر سکتی۔ اتنا زبردست اثر مجھ پر ہوا کہ میں ان کے جانے کے بعد بھی سب ہوں میا
کھڑکی میں جھانکتی رہی اور اس منظر کا لطف اُٹھاتی رہی۔ سرکار واپس تشریف لائے

دو سارہ مس سیر کھجوریاں۔ پانچ چھ سیر مٹھائی اچاروں ترکاری اور بیسیوں قسم کے کھلونے ساتھ تھے میں نے بچوں کے گلے لگایا جیسے بقرے بانٹنے شروع کئے سرکار کے ملاقاتیوں کا تانتا دن بھر لگا رہا۔ وہاں کچھ کھچڑی کھاتی رہی۔ چار بجے کے قریب میں نے سرکار کو لکھ کر بھیجا کہ اس وقت انجمن خواتین اسلام کا جلسہ ہے جس کی صدر انجمن میں ہوں۔ اس لئے میں اب جا رہی ہوں۔ یہ پرچہ لکھ کر میں نہا دھو کر باہر آئی۔ کاسنی ملاوار اور ساری ساڑھی پہن کر میں نے سر سے پاؤں تک تمام زیور پہنا اور یہ سمجھ کر کہ یہ ساڑھی سرکار دو سو روپیہ کی لائے ہیں۔ یقیناً آج سری عزت کو دو بالا کر دے گی۔ میں باہر آئی۔ گاڑی تیار کھڑی تھی۔ ہماری کوٹھی کے احاطہ میں ہماری ایک میراثی کا گھر تھا۔ اس کو مرے ہوئے بہت روز ہو گئے تھے مگر اس کی بیوہ لڑکی اس گھر میں رہتی تھی۔ میں کچھ اس کی ہمدردی کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ اپنے زیور اور لباس کی اس سے داد لوں اس کے ہاں چلی گئی۔ بیوہ نہایت میلے کپڑے پہنے ایک ٹوٹے سے کھٹولے پر لیٹی تھی۔ اس کے دائیں بائیں دو چھوٹے بچے پڑے ہوئے تھے۔ مجھ کو دیکھ کر وہ اچھل پڑی۔ اور کہا "آئے بیگم صاحب تشریف لائیے"

میں ملٹھی لو کیا خاک۔ مگر اس سے پوچھا کہ "آپ کا مزاج کیسا ہے"۔ اس نے جواب دیا خدا کا شکر ہے۔ اچھی ہوں اتنا کہہ کر واپس آئی۔ وہ مصول پان وغیرہ کے متعلق کہتی رہی۔ جو یقیناً اس کی غلطی تھی۔ اس کا بچہ جو شاید پانچ سال کا ہوگا میرے قریب آ گیا۔ اور کہنے لگا

" بیگم صاحب سلام"۔ دو سو روپیہ کی ساڑھی اور اس کے میلے ہاتھ مجھ کو بہت ناگوار معلوم ہوا۔

میں نے منہا اُس کے تھپڑ مارا اور غصہ سے اُس کو جھٹک کر دُور پھینک دیا۔ اس
کے بعد گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہوئی۔ میں صدر انجمن تھی سہیلیوں نے بہت اچھی
تقریریں کیں۔ خاتمہ پر میں نے بھی ایک مختصر تقریر کی۔ جس کا ماحصل یہ تھا۔ بہنو!
آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ مردوں نے اپنی خود غرضی سے ہم کو ذلیل بنا کر ماما اور
اور لونڈیوں سے بدتر کر دیا۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ بچے جو کچھ سیکھ
رہے ہیں اور جو کچھ سیکھیں گے صرف ماں کی گود سے۔ اس لئے جب تک ہماری
تعلیم مکمل نہ ہو۔ یقیناً ہم بچوں کی تربیت نہیں کر سکتے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ
اب ہم بھی خواب غفلت سے بیدار ہوئے ہیں۔ ہماری جماعت میں اخبار اور رسالے
بھی نکل رہے ہیں۔ انجمنیں بھی قائم ہیں اور ممکن کوشش بھی کی جا رہی ہے کہ ہم

مردوں کے پہلو بہ پہلو کام کریں۔ ان کو سینوں میں خصوصاً ہم مردوں کے ممنون احسان ہیں۔ کیونکہ تجربہ نے ان کو بتا دیا ہے جب تک ہم کسی قابل نہ ہوں گے قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ لیکن قابلیت کے واسطے سب سے بڑی ضرورت تعلیم ہے۔ جس میں جہاں اور بہت سی چیزیں حارج ہیں وہاں پردہ بھی۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ تعلیم کے حاصل کرنے میں جو رکاوٹ ہمارے سامنے آئے۔ خواہ وہ پہاڑ ہی کیوں نہ ہو ایک تنکے کے برابر سمجھیں اور مطلق پرواہ نہ کریں۔"

میرے اس خیال پر چاروں طرف سے تالیاں بجیں۔ اور جزز کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اب میں نے غور کر کے دیکھا تو واقعی زیور اور لباس دونوں کے اعتبار سے ان بیبیوں میں جو وہاں تھیں ایک بھی میری ٹکّر کی نہ تھی۔ میں مغرب کے بعد گھر آئی۔ روشنی ہو چکی تھی۔ میں نے آتے ہی آئینہ میں اپنی صورت دیکھی تو چاند بھی میرے حسن کے آگے گرد تھا۔ اب موسیقی کا وقت قریب تھا۔ پہلے کچھ دیر تک میراثنیں وغیرہ گاتی رہیں۔ ان کے جانے کے بعد میں نے ستار بجایا لڑکیاں کچھ گائیں۔ بچے اُچھلتے کودتے رہے۔ غرض آدھی رات کے قریب تک ہم نے عید کی خوشیاں اور رنگ رلیاں منائیں۔ میں پہلی رات کی بھی جاگی ہوئی تھی۔ اس لئے میں مسہری میں جاکر لیٹ گئی۔ دو چار لمحہ کے بعد آنکھ لگ گئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ والد صاحب قبلہ تشریف فرما ہیں۔ ان کی تیوری پر بل ہے۔ ان کے چہرے پر غصہ ہے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہیں اور اس طرح فرما رہے ہیں۔

'خجستہ بانو! بیٹی بہت تھوڑی سی زندگی پر بھول کر خدا کو بھول گئیں، تم مسلمان کہلاتی ہو۔ مگر افسوس ہے تمہارے کام اسلام سے کوسوں دور ہیں تمہارا خیال ہے کہ اسلام نے پردہ کی وجہ سے عورت کی ترقی کو روک رکھا ہے لیکن ہزار افسوس تمہاری عقل پر کہ تم اتنی بات بھی نہ سمجھ سکو

جس طرح مردوں نے مغرب کی اندھی تقلید سے مذہب کو خیرباد کہا۔ اسی طرح عورتوں کا بھی ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے۔ جو بظاہر ترقی کا مدعی ہے۔ مگر درحقیقت اسلام سے وابستہ نہیں۔ کیا پہلے مسلمانوں میں پردہ نہ تھا۔ اور تھا تو کیا مسلمانوں میں قابل عورتیں پیدا ہی نہیں ہوئیں۔ اور اگر ہوئیں تو کیا تمھاری کوششیں ان بیبیوں سے جن کا نام آسمان علم پر چاند کی طرح روشن ہے بہتر ہستیاں پیدا کر سکتی ہیں تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ مسلمانوں نے کسی وقت میں اور کسی حال میں مذہب سے علیحدہ ہو کر ترقی نہیں کی۔ ان کا مذہب تمھاری طرح اخباری اور لفظی نہ تھا۔ بلکہ عملی تھا۔ خدا کا واسطہ تجربہ اس دھوکے باری کو ختم کرو اور سب سے پہلے صرف اپنے گھر کی اور ان چند بندوں کی جو اولاد کی حیثیت سے تمھارے سپرد ہیں اصلاح کرو۔ اس کے بعد قوم کی ترقی کی طرف رُخ کرنا۔ آج عید کا روز ہے۔ تم نے صبح سے شام تک سیکڑوں روپیہ اُٹھائے اور خوشی سے دل ٹھنڈا کیا۔ جب تمھارے چاروں بچے اپنے باپ کے ساتھ عیدگاہ جا رہے تھے تم نے اس خدا کا جس نے تم کو یہ خوشی کا دن دکھایا شکریہ ادا کیا۔ صرف یہی نا کہ تمھارے

میاں بچوں کی گاڑی عیدگاہ جا رہی تھی، تو انّا کی لڑکی کا یتیم بچہ حسرت سے کھڑا اس
کا منہ تک رہا تھا۔ وہ بن باپ کا ضرور تھا۔ مگر خجستہ اس کے پہلو میں بھی وہی دل تھا
جو تمھارے بچوں کے۔ اس کو بخار ضرور چڑھا ہوا تھا لیکن اس کے دل میں بھی عید کی
وہی خوشیاں تھیں، جو تمھارے تندرست بچوں کے۔ تمہارے دن عیش و عشرت میں بسر
کیا مگر انّا کے آٹھ پہر صاف فاقہ میں بسر ہو گئے۔ تم نے اپنی ایک غریب بہن کی کیا خبر
لی۔ اور خدا کی نعمت کا کیا شکر ادا کیا۔ جب وہ معصوم بچہ جو تمہاری طرح خدا کی مخلوق
تھا، تمھارے پاس آکر کھڑا ہوا تو صرف اس لیے کہ تم نشۂ دولت میں چکنا چور تھیں اور وہ
مفلس تھا تمھارے ہاتھ سے ہٹ گیا اور تم نے جھٹک دیا۔ روزِ عید خجستہ سرا بھی اور انا
کے بچہ کا بھی ختم ہوا اور کوئی دن میں شبِ عید بھی ختم ہوتی ہے۔ سرا بھی کھیل کے کھانے
پینے میں اس کا صبر و شکر سے فاقہ کے ساتھ۔ لیکن اس رات اور اس دن کی طرح عنقریب عمر بھی
ختم ہونے والی ہے۔ اور وہ وقت آئے گا جب تو اور وہ دونوں ایک ایسے حاکم کے حضور
میں ہوں گے۔ جس کی نگاہ میں تیرا تمول اور اس کا افلاس برابر ہے۔ خجستہ! بڑا نازک
وقت ہوگا اور کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔ آٹھ پہر کی بھوکی بیوہ بخار زدہ معصوم بچہ
کو کلیجہ سے لگائے پڑی ہے، اٹھ کھڑی ہو اور اس نعمت میں سے جو خدا نے تجھ کو دی ہے
اس کی خدمت میں پہنچا۔ اور خدا سے دعا کر کہ میری ناچیز محنت قبول ہو۔ اور اپنے حبیب
کے طفیل سے دو جہان کا بادشاہ تجھ کو میرے میاں اور بچوں کی سلامتی میں دوبارہ
ایسی مبارک بہاریں دیکھنی نصیب کرے۔

عصمت ۱۷ء

عیدی

جو چیز جس قدر محنت اور مشقت سے میسر آتی ہے اسی قدر اس کی عزت اور وقعت زیادہ ہوتی ہے۔ عید کا چاند چونکہ تیس دن کے روزوں اور رات کی عبادت کے بعد ہاتھ آتا ہے اس واسطے اس کی اس قدر خوشی ہوتی ہے۔ اگر غور سے دیکھیں تو انسان کیا ہر جاندار کے واسطے بھوک پیاس کی تکلیف سب سے بڑھی ہوئی تکلیف ہے۔ مگر مسلمان خدائے برتر کے حکم کے موجب اس تکلیف کو گوارا کرتا اور روزہ رکھتا ہے۔ اس تکلیف کا خاتمہ جو بظاہر تکلیف اور درحقیقت راحت ہے عید کا چاند دیکھ کر ہوتا ہے۔ کہ وہ شخص جس پر قفل لگا رہا اور دن کے وقت کھانا پینا گناہ تھا آزاد ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ عید کے روز مسلمان خوشیاں مناتے ہیں۔

اظہار خوشی کے دنیا میں جو طریقے ہیں۔ ان میں ایک یہ بھی ہے کہ آدمی روپیہ جیسی عزیز چیز دوسروں کو دے اور خوشی منائے۔ اسی کا نام عیدی ہے۔ جو بڑے چھوٹوں کو، عزیز عزیزوں کو اور سہیلیاں سہیلیوں کو پیش کرتی ہیں۔

عید کا دستور شروع اسلام سے مسلمانوں میں رائج ہے اور رسول کریمؐ نے عید کے روز عیدی عطا فرمائی لیکن مسلمانوں میں اس کا اصل طریقہ مسدود ہو کر صرف نقد روپیہ پر عیدی محدود ہو گئی۔ لیکن لڑکیاں غور کریں تو اس کے نقائص ہم کو جلد معلوم ہو جائیں گے ہم میں وہ لڑکیاں بھی ہیں جن کو ہم عیدی دیتے ہیں محتاج نہیں ہوتے کہ دو چار یا دس میں روپیہ بغیر جو ان کو عیدی میں ملتے ہیں ان کی ضرورت اٹکی رہے۔ نقد روپیہ صرف ان لوگوں کو دینا چاہیے جو واقعی ضرورت مند ہوں۔ علاوہ اس کے معمولی عیدی خواہ سو روپیہ بھی ہو تھوڑی دیر کی خوشی ہے اس لیے عیدی ایسی دینا مناسب ہے، جو کچھ مدت عید کی خوشی کو تازہ رکھے۔

سنہ ۱۹۱۸ء

گھر کی ملکہ اور عید

بیوی اس معزز لقب کی جو اسلام نے اس کو عطا کیا یعنی گھر کی ملکہ اگر قدر کرے تو اس کے ذمہ کچھ فرائض بھی ہیں اور جب تک وہ ان کو پوری طرح ادا نہ کرے ہرگز گھر کی ملکہ نہیں ہو سکتی۔ عید کے جو فرائض اس کے ذمہ ہیں وہ یہ ہی نہیں کہ وہ اپنا بیش قیمت جوڑہ تیار کرے۔ اور خواہ شوہر کی مالی حالت اجازت دے یا نہ دے ایک معقول رقم اپنے لباس پر صرف کر دے۔ اور ایک عید کے روز مہینہ بھر کی آمدنی بغیر اس فکر کے کہ کل کیا ہوگا خرچ کر دے۔

جب عید میں آٹھ لو روزے رہ جائیں یعنی بیسویں روزے کے بعد بیوی کو سب سے پہلے گھر کے بناؤ سنگار پر توجہ کرنی چاہیئے۔ یعنی مکان کی ظاہری حیثیت اس کی آمدنی سے کم نہ ہو۔ اگر اس کا شوہر دو سو روپیہ ماہوار بیوی کے ہاتھ میں دیتا ہے اور اس کے گھر کی حیثیت شوہر کی آمدنی دو سو روپیہ نہیں بتا رہی تو وہ نہایت بدتمیز اور حد سے زیادہ پھوہڑ عورت ہے۔ یوں تو یہ اصول ہمیشہ ہی کے واسطے مقرر ہے لیکن عید بقر عید برات اور اسی قسم کے موقعوں پر گھر والی بیوی کو بناؤ سنگار سے

زیادہ گھر کے بناؤ سنگار پر توجہ کرنا ضروری ہے۔

حفظانِ صحت کے اعتبار سے اگر ہر مہینہ نہیں تو کم از کم ایک سال میں دو مرتبہ گھر کی صفائی ہونی ضروری ہے۔ اگر پختہ گھر ہے تو قلعی اور کچا ہے تو لپائی۔ تاکہ عید کی خوشیوں میں گھروالی کے ساتھ گھر بھی شریک رہے۔ اس کے بعد اگر گھروالی کے ساتھ کچھ مسلمان نوکر چاکر متعلق ہیں، تو ان کی تنخواہیں کچھ روز پیشتر ادا کرنی مناسب ہیں تاکہ وہ بھی عین عید کے روز اپنی مالک کے ساتھ برابر کے شریک رہیں اور جس وقت بیوی عید کی خوشیاں منا رہی ہو۔ ان کی تیوری پر بل نہ آئے۔

اب گھروالی کے سامنے ایک چیز اور آتی ہے۔ بشرطیکہ وہ بااختیار گھر کی ملکہ ہے۔ اور برائے نام بیوی نہیں جس کو گنی بوٹی اور نپا تلا سودا مل رہا ہے اور بیوی کہلا کر ماما کا کام کر رہی ہے۔ کہ جو مل گیا وہ پکا دیا اور جو حکم ہوا وہ پہن لیا۔ یہ چیز صدقہ فطر ہے۔ جس طرح ہندوؤں میں بھائیوں کی سلامتی اور مردوں کی تندرستی کا ورد رہتیں اور بیویاں رکھتی ہیں۔ اسی طرح اسلام نے بھی اپنی اور اپنے متعلقین کی صحت کا عید کے موقعہ پر کچھ صدقہ مقرر کیا ہے۔ اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ عید کی خوشی سے غریب بھی محروم نہ رہیں۔ اور یہ خوشی صرف امیروں پر ختم نہ ہو جائے۔

اس سلسلہ میں گھروالی بیگم کو اپنے عزیز اقارب، ہمسایہ جان پہچان وغیرہ پر نظر ڈال کر دیکھنا چاہئے کہ کون زیادہ مستحق ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ فطر صرف عید ہی کے روز دیا جائے۔ اگر پہلے ہی دیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ اس سے فراغت پاکر بچوں کے لباس کی ضرورت ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں درزیوں کی دکانیں جہاں عید سے دو ایک روز پہلے رات رات بھر کھلی رہتی اور مسلمانوں کے افلاس کا مرثیہ پڑھتی ہیں وہاں بااختیار بیویوں کے پھوہڑ پنے پر صرف آنسو گرائی ہیں۔ اگر کپڑے تیار کروانے ہیں تو چاہئے کہ وقت سے پہلے ان کا انتظام ہو جائے۔

اب بیوی کو ان ضرورتوں پر غور کرنا ہے۔ جو اس کے شوہر کی ہیں اور جس میں تھوڑا یا بہت اس کا ہاتھ بھی ہے۔ بعض مرد خوشبو وغیرہ کو پسند نہیں کرتے۔ مگر اسلام نے اس کو اچھا بتایا ہے اور اس کی بہتری اسی سے ثابت ہے کہ گرم موسم میں اس کا ہونا ہر اعتبار سے مناسب ہے۔ یہاں تک کہ صحت کے لحاظ سے بھی

ان سب ضرورتوں کو پورے طور پر انجام دینے کے بعد بیوی بشرطیکہ اس کو قرض نہ لینا پڑے اپنے اوپر شوہر کے مشورے سے جس قدر چاہے صرف کرے

مئی ۱۹۲۰ء

رمضان اور خیرات

رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہو گیا یہ وہ مقدس اور پاک وقت ہے جب انسانی نیکیاں دربار خداوندی میں خصوصیت سے قبول ہوتی ہیں۔ اور معبود حقیقی اپنے گنہ گار بندوں کو ان کے ایمان کی کسوٹی پر پرکھنا۔ ان کی نیتوں کا بدلہ دینا۔ اور اُن کے اعمال کا جائزہ لیتا ہے۔ عمل نیک کے درجے بڑھتے ہیں۔ رحم وکرم کے دروازے کھلے ہیں۔ انعام واکرام کی بارش ہوتی ہے۔ اور ہر مسلمان اپنی ادنیٰ سی عبادت پر خدائے بہتر و برتر کے انعام سے مالا مال ہوتا ہے۔ اور اس مبارک موقع سے جو اس کو خوش قسمتی سے میسر ہو گیا فائدہ اٹھاتا ہے۔ اور کوشش کرتا ہے کہ اس کی نیکی پچھلے گناہوں کی تلافی کر دے۔ اور مجبور ولاچار نافرمان وگنہگار بندہ اپنی نیکی سے خدا کے حضور میں سرخرو ہو۔ اور زندگی کا مقصد اصلی یعنی خدا کی رضامندی حاصل کرے۔

خوشنودیٔ خدا ہی عبادت کا دام ہے
جنت بھی اک رضائے الٰہی کا نام ہے

گناہ و نافرمانی ایک اعتبار سے فطرت انسانی ہے۔ مگر خوش نصیب ہے وہ مسلمان جو اپنی نافرمانیوں اور گناہوں کا احساس کرے اور نافرمان سر اور گنہگار قلب خدا کے حضور میں جھک جائے۔ سچے دل اور اچھی نیت سے اپنی غفلت سے نادم ہو تو رحم کے آنسو آنکھ سے نکلیں اور خوف کی صدائیں قلب کو تھرا دیں عجز کے قدموں سے

آگے بڑھے اور یقین کرے کہ خالق الموجودات کی رحمت وسیع ہے۔ اور اس کا عظیم السان
دربار ہزاروں اور لاکھوں روپوں کا محتاج نہیں چھوٹی سے چھوٹی نیکی اس کے فضل
سے کوہ گراں بنتی ہے۔ اور حقیر سے حقیر خدمت بھی اس کے کرم سے ارفع و اعلیٰ لباس
پہن سکتی ہے۔ اس کی ازلی و ابدی طاقت گھاس کے ایک تنکے کو سدا بہار پھول کر تی
ہے اور اس کی لازوال قدرت جو کی روٹی اور بھس کی چٹنی کو نعمت غیر مترقبہ بنا تی ہے اور
یہ وہ سرکار ہے جہاں بہروں سے پہلے بھر اور پھلوں سے پہلے بڑے منزل مقصود پر پہنچے ہیں
ہنر مندوں سے پوچھے جائیں گے واں بے ہنر پہلے
خاک عرب سے اٹھنے والے ہادیٔ برحق (جس پر ہمارے جان و مال قربان ہوں)
کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز جب میدان حشر میں نفسی نفسی کا عالم ہوگا اور ہر شخص
حیران و پریشان خوف خدا سے کانپ رہا ہوگا تو خدائے واحد القہار کا ارشاد ہوگا کہ
ارے بندے آج تو ہمارے کرم کا محتاج ہے، مگر کیا تجھے وہ وقت یاد ہے، جب ہم بھوکے
پیاسے تیرے در پر آئے اور تجھ سے التجا کی۔ جب ہم مجبور و لاچار تیرے پاس پہنچے اور تجھ سے
سوال کیا۔ مگر ہماری التجا بیہودہ اور سوال بے کار رہا۔ تیرا دسترخوان ہماری نعمتوں سے مالا مال
تھا۔ تیرا گھر ہماری عطا کی ہوئی دولت سے بھر پور تھا لیکن تو نے ہمارے پھٹے کپڑوں کو
دھتکار دیا۔ ہمارے مایوس چہرے سے منہ پھیرا اور ہماری درخواست پر توجہ نہ کی۔
یہ فرمان سننے کے بعد ہر شخص عرض کریگا کہ الہ العالمین ہم کو یاد نہیں کہ تو نے
ہم سے سوال کیا اور اس حال میں ہمارے پاس پہنچا۔ حکم ہوگا کہ ہمارے ایاہج بندے
لاچار مخلوق، حاجت مند انسان جب تیرے سامنے آئے اُن کی
صدائیں تیرے کانوں میں پہنچیں۔ لیکن تو نے توجہ نہ کی۔
وہ کون تھا، وہ ہم ہی تھے!

نغمۂ عید

عید کی صبح کو جب مسلمان اپنے بچوں کو کپڑے پہنا کر باغ باغ ہوں۔ عید کی خوشیاں اُن کے در و دیوار پر برسیں۔ انواع و اقسام کی نعمتیں ان کے دستر خوان پر چنی جائیں۔ رنگ برنگ کے لباس اور زیور گھروں میں جھکیں۔ ہر سمت سے مبارک سلامت کی دعائیں اور صدائیں ہوں اُس وقت مسلم خواتین معصوم یتیم اور مجبور و لاچار بچیوں کی بیکسی کو فراموش نہ کریں۔ دنیا کی مسرتوں اور زندگی کی خوشیوں میں یہ بچیاں بھی شریک ہونے کا حق رکھتی ہیں۔ مگر ماں باپ کی موت ان کے حقوق ختم کر گئی۔ اور آج ان کے سامان مسرت پیدا کرنا ان کے پیٹ بھرنا اور ان کے بدن ڈھانکنا، ان ماؤں اور باپوں کا کام ہے، جو اپنے بچوں کو کلیجے سے لگا کر نہال نہال ہو رہی ہیں لو اے اپنے بچوں کو کھلاؤ جب محبت سے ہماری بھوک بھی بچوں کی ماؤں یاد کر لینا عید کا دن ختم ہوگا اور یہ رات بھی دن سے بدلیگی۔ مگر مبارک ہوں گے وہ ہاتھ جو اِن معصوم بچیوں کی اعانت کو بڑھیں گے۔ اور اس وقت جب

اس مسرّت کے جلوے فنا ہو جائیں گے آسمان اس رحم وکرم پر مبارکباد دیگا
جس طرح خوش نصیب اور خوش حال بچوّں کی عید روپوش ہو گی
اسی طرح بن باپ کی بیکس بچیوں کا دن بھی بسر ہو جائے گا۔ لیکن عید کے
بعد بھی وہ مسرّت باقی رہیگی۔ جو ان بچیوں کی اعانت سے حاصل ہوئی ہو
ان کے سر پر ہاتھ رکھنے والی مائیں اور اُن کی محبّت پر آنسو گرانے والے
باپ اپنے کرم پر ہمیشہ ہمیشہ مسرور رہوں گے۔ اگر یہ بدبخت بچیاں اس قابل نہیں
ہیں کہ آپ سے اپنی عیدی طلب کریں، اور نہ اس لائق ہیں کہ آپ کے
دستر خوان پر برابر بیٹھ سکیں۔ تو ان کی معصوم دعائیں مول لیجئے۔ اور اُن
پر رحم وکرم فرما کر اس رحم وکرم کو حاصل کیجیے، جو ازلی وابدی طاقت ہے
ان کے معصوم چہرے۔ ان کی خاموش صورتیں آپ کو اور آپ
کے بال بچوں کو دعائیں دے رہی ہیں۔ ان کی نگاہیں آپ کے کرم کی
اور ان کی نظریں آپ کے رحم کی محتاج ہیں۔ ان کے دل کمزور سہی لیکن
ان کی زبان پر اُس جلیل القدر شہنشاہ کا کلمہ ہے، جو دونوں جہان
کا بادشاہ ہے۔

متاعِ بے بہا ہے دستگیری نیم جانوں کی
خریدا کر ملیں جتنی دعائیں نالوانوں کی

ناب ۳۱ء

یتیموں کی عید

گذشتہ تیرہ، چودہ صدی میں دنیا اور اس کی اشیا اپنی اپنی عمر کو پہنچ کر فنا ہو چکیں، مگر قدرت کے قانون اب بھی بدستور اپنے کام کر رہے ہیں اور بقائے حیات کی کوششوں میں سرگرم ہیں۔ آدمی، جانور، پھل، پھول انھیں کے فراہم کئے ہوئے اسباب سے زندگی پوری کر رہے ہیں۔ انسان جس کے احسان فراموش ہونے کی کتاب اللہ شاہد ہے سب سے زیادہ قدرتی اشیاء سے متمتع ہو رہا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ وہی قدرت سے بغاوت کر رہا ہے۔

جنگلوں میں صحرائی پرندے پہاڑوں پر طائران خوش الحان اور شہروں میں مؤذن کی صدائیں خاتمۂ شب اور طلوع آفتاب کی خبر دے رہی ہیں مگر مسلمانوں کو ان کی مقدس کتاب ایک اور آنے والے دن کی خبر دے رہی ہے جس کا نام یوم الحق ہو۔ جب اعمال انسانی انصاف کی کسوٹی پر پرکھے جائیں گے و اعضائے انسانی اعمال و افعال کے شاہد ہونگے

مخبر صادق کا ارشاد ہے کہ اس روز جب انسان اپنے اعمال کا وزن دیکھ کر سرنگوں اور پریشان ہوگا تو خدائے واحد کی ازلی و ابدی طاقت بندے سے اس طرح خطاب کریگی یاد کر وہ وقت جب ہم بھوکے اور پیاسے تیرے دروازے پر گئے کہ شاید اس وقت میں سے جو تجھ کو ہم نے عطا فرمائی۔ اس رزق میں سے جو ہم نے تجھ کو دیا ہمارا پیٹ بھی بھر دے۔ مگر ہم تیرے دروازے سے واپس آئے اور تو نے ہم پر مطلق توجہ نہ کی اور رحم

نہ کھایا

یہ سن کر گنہگار انسان عرض کریگا ۔ اے زمین و آسمان کے مالک تو نے کبھی ہمارے دستر خوان پر آنے کی تکلیف گوارا نہ کی ۔ حکم ہو گا کہ ہمارے لاچار بندے اور اپاہج مخلوق ، جن کو تو نے جھڑکا اور رحم نہ کھایا وہ کون تھے ۔ میں ہی تھا اور میں نے تجھ کو خبر دی تھی ۔ کہ دنیا کے بہت سے سودے کر رہے ہو ایک معاملہ ہم سے بھی کرو اور کچھ ہمارے پاس امانت رکھوا دو ۔ ہم انشاء اللہ ضرورت کے وقت تم کو واپس کر دیں گے ۔ آج تمھاری کوئی امانت ہمارے پاس نہیں ہے ۔

آفتاب عید ارض مقدس پر نمودار ہو چکا ۔ مسلمان اُجلے اور نئے کپڑے پہن کر نماز کو روانہ ہو رہے ہیں کہ آقائے دو جہاںؐ کے وہ مبارک کندھے جن پر ہم اور ہمارے ماں باپ ہزار بار قربان ہوں دو یتیم بچوں کے سامنے جُھک گئے اور معبود حقیقی کی بے زبان مخلوق شہنشاہ کونین کے کندھوں پر سوار ہو گئی ۔ خدا کا پیارا اور ہمارا آقا ان بچوں کے کپڑے بدلوا کر نماز کو لے جا رہا ہے ۔ اور اپنی اُمت کو بتا رہا ہے کہ بیکس معصوم دربار رسالت اور خدائی حکومت میں کیا درجہ رکھتے ہیں ۔" ہزار ہا درود و سلام"

عیدالفطر سر پر آ گئی ۔ یتیم بچیاں بھی مسلمان بچیوں کی اس خوشی میں شریک ہونے کا ہر مسلمان کی طرح حق رکھتی ہیں ۔ ان کا دل بھی اچھے لباس پر راغب ہو گا بہتر کھانے کو ان کا جی بھی چاہے گا اور یہ بھی وارث والے بچوں کو دیکھ کر اپنے جذبات سے متاثر ہوں گی ۔

مبارک ہوں گے وہ ہاتھ جو شہنشاہ کونین کی اس پیاری اُمت کے لئے آگے بڑھیں ، اور ان کی خدمت کریں ۔

بچیوں کی عید

انسانی نظروں کا عظیم الشان ڈھیر زمین سے اڑ اڑ کر آسمان کی طرف ایک ابر غلیظ کی آغوش میں ان مچھلیوں کی طرح جو سطح آب پر اچھلتی ہیں۔ جذب ہو رہا تھا۔ یہ تمام نگاہیں متلاشی تھیں اس جسم فلک کی، جو تعبیر ہو رہا تھا چاند کے نام سے۔

آسمان کی آنکھ مشاہدہ کائنات کو رات دن کھلتی تھی اور ٹھنڈے سانسوں کے ساتھ بند ہو جاتی تھی۔ مگر سنسان جنگل کے خودرو پھولوں میں کچھ گرم آنسو نظر آرہے تھے۔ اور یہ مرثیہ نھاونہائے اسلام کی حالت پر آسمان کی رسیلی آنکھ کا جس کو ــــ چاند کہتے تھے

تحمل اسلامی نے آج جسم فلک کو ختم عروس بنا دیا تھا لاتعداد امنگیں، بیشمار ارمان، بے انتہا مسرتیں ان کے گھونگٹ میں جھول رہی تھیں۔

ــــ ایک برقی ٹھنڈ ورہ دنیائے اسلام میں پٹا خوشیوں کی لہریں دلوں میں دوڑیں۔ رات دن سے بدل گئی۔ اور سر زمین اسلام سے شادمانی کے نعرے بلند ہوئے۔ عروسِ فلک

نے گھونگھٹ ہٹایا اور وہ حسن سامنے آیا جسے چاند کہتے ہیں۔ آفتاب عید دریائے مسرت میں غوطے لگا کر طلوع ہوگیا۔ اس کے ساتھ خوشیاں ہیں مسلمان گھروں میں۔ بڈھوں میں جوانوں میں، بچوں میں۔ لڑکوں میں لڑکیوں میں بے فکری واطمینان کی بارش ہے۔ اُمنگیں ہیں ہوس کی جھڑیاں ہیں ——— لیکن سامنے ایک انسانی ہستی ایک بچی ایک یتیم لڑکی جس کی اُمنگیں ماں کی موت اور باپ کی علت کے ساتھ قبر میں دفن ہو چکیں خاموش کھڑی ہے۔ خوش ہونے والوں کا منہ حسرت سے دیکھتی ہے۔ تکتی ہے۔ اس کی آنکھ میں آنسو ہیں۔ اس کے دل میں بچھڑے ہوئے ماں باپ کی یاد ہے اس کے ٹھنڈے سانس اس کی خاموش آہیں، اوراس کی معصوم ناک نظریں کتابِ اِملاپ کا ایک ورق ہے۔ وہ دیکھتی ہے اپنے پھٹے ہوئے کپڑوں کو اپنے ننگے پاؤں کو، اپنے میلے کچیلے کھیے ٹپرا نے کپڑوں کو روتی ہے۔ ماں کو یاد کرکے بلبلاتی ہے۔ باپ کو آوازیں دے کر۔ ماؤں کی ماما۔ باپوں کی شفقت اس کے معصوم دماغ کو بتا رہی ہے کہ زندگی کی نعمتوں سے وہ محروم ہے کون ہے جو اس کو کلیجے سے لگا کر دل ٹھنڈا کرے۔ محبت کا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دے۔ دنیا کو بتا دے، مسلمانوں کو دکھا دے کہ ہادیٔ برحق کے نام لیوا۔ رسول برحق کے غلام اس کے ارشاد پر گردن جُھکا دیں گے اور اس بے وارث معصوم کے گلے میں ہاتھ ڈال کر اس کی عید منوا دیں گے۔

بنات ۱۹۳۰ء